مجلس انصار اللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلہ

انصار الدین

جلد ۱۹ نمبر ۳

مئی وجون ۲۰۲۲ء   ہجرت واحسان ۱۴۰۱ ہجری شمسی   شوال وذوالقعدۃ ۱۴۴۳ ہجری قمری





نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ

ہم اللہ کے انصار ہیں (سورۃ آل عمران ۳:۵۳)

Majlis Ansarullah UK
HUMANITARIAN PROJECTS 2022



Eye Operations @ Masroor Eye Insitute - Burkina Faso

Cost of one eye operation - £50

Water for Life

New water pump £2,000

Water pump refurbishment £750

A water well/pump can provide fresh water for over 1,000 people daily.





The complex FACILITIES include a house for orphans; a school; and an administration office.

Orphan COMPLEX (Africa)

Build-cost £300,000

Any donation-amount welcome.

If a Nasir donates £5,000 or more, his name will be engraved within the Orphan Complex.

A room cost is £10,000.

If a Nasir donates £10,000 or more, his name will be engraved on a plate at the room entrance.

PLEASE KINDLY DONATE GENEROUSLY

USE THIS LINK: https://donation.charitywalkforpeace.org/
OR Scan the QR code. You can call us and we will assist you 020 8874 6630.



MAJLIS ANSARULLAH UK 33 GRESSENHALL ROAD LONDON SW18 5QH
T: 020 8874 6630 E: INFO@CHARITYWALKFORPEACE.ORG W: CHARITYWALKFORPEACE.ORG

مجلس انصار اللہ برطانیہ
فلاحی منصوبے برائے سال 2022ء



آنکھوں کے آپریشنز
مسرور آئی انسٹیٹیوٹ
برکینا فاسو

ایک آنکھ کے آپریشن کے اخراجات: £50



ٹیوب ویل

پانی کا نیاکنواں: £2000

مرمت برائے پانی کا کنواں: £750

ایک کنواں / پمپ روزانہ 1000 سے زائد لوگوں کو روزانہ تازہ پانی مہیا کرتا ہے



اس یتیم خانہ کمپلیکس میں:
ایک گھر برائے یتامی، ایک سکول اور ایک دفتر شامل ہے

یتیم خانہ (افریقہ)

اس کمپلیکس کے بنانے کی لاگت کا تخمینہ: £300,000
آپ جتنی رقم چاہیں اس میں عطیہ کر سکتے ہیں

اگر کوئی ناصر اس پروجیکٹ میں £5000 یا اس سے زائد رقم عطیہ کرتا ہے تو اس کا نام بلڈنگ کے اندر لکھا جائے گا

ایک کمرہ بنوانے کے اخراجات کا تخمینہ: £10,000

اگر کوئی ناصر اس پروجیکٹ میں £10,000 یا اس سے زائد رقم کا عطیہ کرتا ہے تو اس کے نام کی پلیٹ اس کمرہ کے اوپر لگائی جائے گی

PLEASE KINDLY DONATE GENEROUSLY

USE THIS LINK: https://donation.charitywalkforpeace.org/
OR Scan the QR code. You can call us and we will assist you 020 8874 6630.



MAJLIS ANSARULLAH UK 33 GRESSENHALL ROAD LONDON SW18 5QH
T: 020 8874 6630 E: INFO@CHARITYWALKFORPEACE.ORG W: CHARITYWALKFORPEACE.ORG

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ

مئی و جون 2022ء

انصارالدین

جلد 19 نمبر 3

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخردم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: مظفر احمد بھٹی
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی
میر انجم پرویز
سیّد حسن خان
مینیجر: شفقت محمود ملک
ڈیزائننگ: عامر ملک

Ansaruddin
33 Gressenhall Road,
SW18 5QH London
United Kingdom
E: ansaruddin@ansarullahuk.org



درس القرآن

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! ظن سے بکثرت اجتناب کیا کرو۔ یقیناً بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔ اور تجسس نہ کیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اس سے سخت کراہت کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (الحجرات:13)

قرآن کریم میں زبان کے حوالے سے انسان کی بہت سی کمزوریوں کا بیان ہوا ہے جن میں بدظنی کرتے ہوئے غیبت کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے اور انسان کو نفرت دلانے کے لیے وہ مثال بیان فرمائی ہے کہ جس کے تصوّر سے بھی پاکیزہ انسان میں کراہت پیدا ہونے لگتی ہے۔ نیز اس آیت میں یہ خوشخبری بھی دے دی کہ اگر کوئی اپنے اس فعل پر پشیمانی کا اظہار کرے تو اُسے خوش ہو جانا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے بندے پر بار بار رحم کرنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ اس بارہ میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احمدیوں کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ

”ہماری جماعت کو چاہیے کہ کسی بھائی کا عیب دیکھ کر اس کے لیے دعا کریں۔ لیکن اگر وہ دعا نہیں کرتے اور اس کو بیان کر کے دَورِ سلسلہ چلاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔ کون سا ایسا عیب ہے جو کہ دور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہمیشہ دعا کے ذریعہ سے دوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہیے۔

ایک صوفی کے دو مرید تھے۔ ایک نے شراب پی اور نالی میں بیہوش ہو کر گرا۔ دوسرے نے صوفی سے شکایت کی۔ اس نے کہا تُو بڑا بے ادب ہے کہ اس کی شکایت کرتا ہے اور جا کر اُٹھا نہیں لاتا۔ وہ اسی وقت گیا اور اسے اُٹھا کر لے چلا۔ کہتے تھے کہ ایک نے تو بہت شراب پی لیکن دوسرے نے کم پی کہ اسے اٹھا کر لے جا رہا ہے۔ صوفی کا یہ مطلب تھا کہ تُو نے اپنے بھائی کی غیبت کیوں کی۔ آنحضرت ﷺ سے غیبت کا حال پوچھا تو فرمایا کہ کسی کی سچی بات کا اس کی عدم موجودگی میں اس طرح سے بیان کرنا کہ اگر وہ موجود ہو تو اسے بُرا لگے غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے اور تُو بیان کرتا ہے تو اس کا نام بہتان ہے۔...... قرآن کریم کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ عیب دیکھ کر اسے پھیلاؤ اور دوسروں سے تذکرہ کرتے پھرو بلکہ وہ فرماتا ہے: ”کہ وہ صبر اور رحم سے نصیحت کرتے ہیں۔“ (البلد:18) مرحمہ یہی ہے کہ دوسرے کے عیب دیکھ کر اسے نصیحت کی جاوے اور اس کے لیے دعا بھی کی جاوے۔ دعا میں بڑی تاثیر ہے اور وہ شخص بہت ہی قابل افسوس ہے کہ ایک کے عیب کو بیان تو سو مرتبہ کرتا ہے لیکن دعا ایک مرتبہ بھی نہیں کرتا۔ عیب کسی کا اس وقت بیان کرنا چاہیے جب پہلے کم از کم چالیس دن اس کے لیے رو رو کر دعا کی ہو۔“ (ملفوظات جلد 4، صفحہ:60-61)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

معراج کی رات آنحضرت ﷺ نے غیبت کرنے والوں کا نہایت ہی بداور دردناک انجام دیکھا۔جس کا نظارہ آپؐ نے یوں بیان فرمایا:

معراج کی رات میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں لوگوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھایا کرتے تھے اور ان کی عزت سے کھیلا کرتے تھے۔یعنی ان کی غیبت کیا کرتے تھے۔(ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ)

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: لوگوں میں سے سب سے زیادہ گنہگار فضول گو اور لایعنی باتیں کرنے والا ہوتا ہے۔(الترغیب والترھیب کتاب الادب)

پھر آپؐ فرماتے ہیں: من کثر کلامہ کثر خطائہٗ۔جو زبان دراز ہوتے ہیں بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہیں یا باتونی ہوتے ہیں ان سے خطائیں بھی زیادہ سرزد ہوتی ہیں۔(المعجم الاوسط للطبرانی باب المیم)

عمران بن حطّان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو مسجد میں تنہا بیٹھے دیکھ کر پوچھا کہ اے ابوذر! یہ کیسی تنہائی ہے؟ فرمانے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: بُرے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے اور اچھا ساتھی تنہائی سے بہتر ہے اور اچھی بات خاموشی سے بہتر ہے اور خاموشی بُری بات سے بہتر ہے۔

(شعب الایمان باب الرابع والثلاثون فصل فی فضل السکوت)

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے۔نرمی کا جتنا اجر دیتا ہے اتنا سخت گیری کا نہیں دیتا۔بلکہ کسی اور نیکی کا بھی اتنا اجر نہیں دیتا۔(مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل الرفق)

آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا: کسی چیز میں جتنا بھی رفق اور نرمی ہوا تنا ہی یہ اس کے لیے زینت کا موجب بن جاتا ہے اور جس سے رفق اور نرمی چھین لی جائے وہ اتنی ہی بدنما ہو جاتی ہے۔یعنی رفق اور نرمی میں ہی حسن ہے۔(مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل الرفق)

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں تم کو بتاؤں کہ آگ کس پر حرام ہے؟ وہ حرام ہے ہر اس شخص پر جو لوگوں کے قریب رہتا ہے۔یعنی نفرت نہیں کرتا، ان سے نرم سلوک کرتا ہے۔ان کے لیے آسانی مہیا کرتا ہے اور سہولت پسند ہے۔(ترمذی باب صفۃ القیٰمۃ)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔لوگ کھڑے ہو گئے کہ اس پر ٹوٹ پڑیں اور پکڑ لیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔اسے چھوڑ دو اور پانی کا ایک ڈول بہادو (تا کہ پیشاب کا اثر زائل ہو جائے) کیونکہ تمہیں آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے تنگی کرنے والے اور سختی سے پیش آنے والے بنا کر نہیں بھیجا گیا۔(بخاری کتاب الوضوء باب صب الماء علی البول فی المسجد)

حضرت اُم معبدؓ رسول کریم ﷺ کی شخصیت کو یوں بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ دور سے دیکھنے میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ خوبصورت تھے اور قریب سے دیکھنے میں انتہائی شیریں زبان اور عمدہ اخلاق والے تھے۔(الشفاء لقاضی عیاض۔الباب الثانی۔الفصل الثالث۔نظافتہ ﷺ)

حضرت علیؓ آنحضور ﷺ کی نرم و پاک وصاف زبان کا تذکرہ یوں بیان فرماتے ہیں۔آپؐ لوگوں میں سب سے زیادہ فراخ سینہ تھے اور گفتگو میں لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے اور ان میں سب سے زیادہ نرم خو تھے اور معاشرت اور حسن معاملگی میں سب سے زیادہ معزز اور محترم تھے۔

(الشفاء لقاضی عیاض۔الباب الثانی۔الفصل السادس عشر۔حسن عشرتہ ﷺ)

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: جب ابن آدم کی صبح ہوتی ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء اس کی زبان سے عاجزانہ درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرنا ہم تیرے ساتھ ہیں۔تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔(ترمذی کتاب الزہد باب حفظ اللسان)

امام الکلام ۔ کلام الامام علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پیروکاروں کو تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے۔اسی حوالے سے حضرت اقدسؑ نے کسی انسان کی زبان کا اُس کے تقویٰ سے تعلق یوں بیان فرمایا ہے:

’’انسانی زبان کی چھری تو رک سکتی ہی نہیں جب خدا کا خوف کسی دل میں نہ ہو۔انسانی زبان کی بے باکی اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا دل سچے تقویٰ سے محروم ہے۔زبان کی تہذیب کا ذریعہ صرف خوف الٰہی اور سچا تقویٰ ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 112)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

’’تقویٰ کے بہت سے شعبے ہیں جو عنکبوت کے تاروں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔تقویٰ تمام جوارح انسانی اور عقائد زبان، اخلاق وغیرہ سے متعلق ہے۔نازک ترین معاملہ زبان سے ہے۔بسا اوقات تقویٰ کو دُور کر کے ایک بات کہتا ہے اور دل میں خوش ہو جاتا ہے کہ میں نے یوں کہا اور ایسا کہا حالانکہ وہ بات بُری ہوتی ہے۔مجھے اس پر ایک نقل یاد آئی ہے کہ ایک بزرگ کی کسی دنیادار نے دعوت کی۔جب وہ بزرگ کھانا کھانے کے لیے تشریف لے گئے تو اس متکبّر دنیادار نے اپنے نوکر کو کہا کہ فلاں تھال لانا جو ہم پہلے حج میں لائے تھے اور پھر کہا دوسرا تھال بھی لانا جو ہم دوسرے حج میں لائے تھے اور پھر کہا تیسرے حج والا بھی لیتے آنا۔اس بزرگ نے فرمایا کہ تُو تو بہت ہی قابلِ رحم ہے۔ان تینوں فقروں میں تُو نے اپنے تین ہی حجوں کا ستیاناس کر دیا۔تیرا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ تُو اس امر کا اظہار کرے کہ تُو نے تین حج کیے ہیں۔اس لیے خدا نے تعلیم دی ہے کہ زبان کو سنبھال کر رکھا جائے اور بے معنی، بیہودہ، بے موقع اور غیر ضروری باتوں سے احتراز کیا جائے۔......حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص ناف کے نیچے کے عضو اور زبان کو شر سے بچاتا ہے اس کی بہشت کا ذمہ دار میں ہوں۔

حرام خوری اس قدر نقصان نہیں پہنچاتی جیسے قولِ زُور۔اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ حرام خوری اچھی چیز ہے۔یہ سخت غلطی ہے اگر کوئی ایسا سمجھے۔......غرض اس سے معلوم ہوا کہ زبان کا زِیان خطرناک ہے۔

اس لیے متقی اپنی زبان کو بہت ہی قابو میں رکھتا ہے۔اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی جو تقویٰ کے خلاف ہو۔پس تم اپنی زبان پر حکومت کرو۔نہ یہ کہ زبانیں تم پر حکومت کریں اور اناپ شناپ بولتے رہو۔ہر ایک بات کہنے سے پہلے سوچ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔اللہ تعالیٰ کی اجازت اس کے کہنے میں کہاں تک ہے۔جب تک یہ نہ سوچ لو مت بولو۔ایسے بولنے سے جو شرارت کا باعث اور فساد کا موجب ہو نہ بولنا بہتر ہے۔لیکن یہ بھی مومن کی شان سے بعید ہے کہ امرِ حق کے اظہار میں رکے۔اس وقت کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور خوف زبان کو نہ روکے۔......پس زبان کو جیسے خدا تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف کسی بات کے کہنے سے روکنا ضروری ہے اسی طرح امرِ حق کے اظہار کے لیے کھولنا لازمی امر ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 280-281)

فرمودات

حضرت خلیفۃالمسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 18 ستمبر 2009ء میں جمعہ کی اہمیت پر قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس حوالے سے حضورانور فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دن کو ایک اور زاویے سے پیش فرمایا ہے اور پھر جمعہ کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ آپؑ آیت اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ (المائدہ:4) کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''غرض اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ کی آیت دو پہلو رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ تمہاری تطہیر کر چکا۔'' (تمہیں پاک کر دیا ایسا دین آ گیا کہ جو پاک کرنے والا ہے۔) ''اور دوم (یہ کہ) کتاب مکمل کر چکا۔

کہتے ہیں جب یہ آیت اتری وہ جمعہ کا دن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی یہودی نے کہا کہ اس آیت کے نزول کے دن عید کر لیتے۔'' (احادیث میں بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے آتا ہے کہ یہودی نے ان سے کہا اور انہوں نے کہا کہ جمعہ عید ہی ہے۔ لیکن بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو روایات ہیں اور بعض ایسی ہیں جن کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ مجھے براہ راست آنحضرت ﷺ نے بعض روایات باتیں بتائی ہیں۔ تو اس کی جو حیثیت ہے اور قدر و اہمیت ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بیان فرمائی ہے ہمیں بہرحال اس کو دیکھنا چاہیے نہ کہ ان روایتوں کو جو مختلف راویوں کے ذریعہ سے پہنچیں۔ تو بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ) ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی یہودی نے کہا کہ اس آیت کے نزول کے دن عید کر لیتے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اگر یہ ہم پر اتری ہوتی تو ہم عید کا دن مناتے۔ تو بہرحال کہا کہ اس آیت کے نزول کے دن عید کر لیتے۔ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ المائدۃ باب قولہ: الیوم اکملت لکم دینکم حدیث نمبر 4606) حضرت عمرؓ نے کہا کہ جمعہ عید ہی ہے۔'' (حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں) ''مگر بہت سے لوگ اس عید سے بے خبر ہیں۔ دوسری عیدوں کو کپڑے بدلتے ہیں لیکن اس عید کی پروا نہیں کرتے اور میلے کچیلے کپڑوں کے ساتھ آتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ عید دوسری عیدوں سے افضل ہے۔'' (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ) ''میرے نزدیک یہ عید دوسری عیدوں سے افضل ہے۔ اسی عید کے لیے سورۃ جمعہ ہے اور اسی کے لیے قصر نماز ہے اور جمعہ وہ ہے جس میں عصر کے وقت آدم پیدا ہوئے۔ اور یہ عید اس زمانے پر بھی دلالت کرتی ہے کہ پہلا انسان اس عید کو پیدا ہوا۔ قرآن شریف کا خاتمہ اسی پر ہوا۔'' (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 673 مطبوعہ ربوہ)۔ یعنی یہ آیت جو تھی یہ بھی جمعہ والے دن نازل ہوئی۔ پس ہم ایک عظیم الشان دین کے ماننے والے ہیں جس کو نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنا دین کامل اور مکمل کیا اور ایک یہودی کو بھی اس کی عظمت کا، آیت کی عظمت کا اقرار کرنا پڑا۔

پس جس خدا نے دین کامل کر کے قرآن کریم کی صورت میں آنحضرت ﷺ پر اتارا اسی خدا نے ایک اہم فریضہ کی طرف اس کتاب میں ہمیں توجہ دلائی ہے بلکہ حکم دیا ہے۔ پس یہ ہماری بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ اس کی بجا آوری میں کبھی سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور ہماری اولادوں کو بھی ہمیشہ توفیق دیتا رہے کہ ہم جمعوں کا خاص اہتمام کرنے والے بنے رہیں اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہم سے توقع کی ہے اس پر پورا اترنے والے ہوں۔''

اداریہ

عبادات میں ارفع مقام رکھنے والی نماز

گزشتہ سے پیوستہ

نماز تہجد کی اہمیت اور اس کی برکات کے حوالے سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’جس قدر ابرار، اخیار اور راست باز انسان دنیا میں ہو گزرے ہیں، جو رات کو اٹھ کر قیام اور سجدہ میں ہی صبح کر دیتے تھے کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ وہ جسمانی قوتیں بہت رکھتے تھے اور بڑے بڑے قوی ہیکل جوان اور تنومند پہلوان تھے؟ نہیں۔ یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ جسمانی قوت اور توانائی سے وہ کام ہرگز نہیں ہو سکتے جو روحانی قوت اور طاقت کر سکتی ہے۔ بہت سے انسان آپ نے دیکھے ہوں گے جو تین یا چار بار دن میں کھاتے ہیں......اور نیند ان پر غلبہ رکھتی ہے یہاں تک نینداور سستی سے بالکل مغلوب ہو جاتے ہیں کہ ان کو عشاء کی نماز بھی دوبھر اور مشکلِ عظیم معلوم دیتی ہے چہ جائیکہ وہ تہجد گزار ہوں۔

دیکھو! آنحضرت ﷺ کے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کیا تنعّم پسند اور خور و نوش کے دلدادہ تھے جو کفار پر غالب تھے؟ نہیں یہ بات تو نہیں۔ پہلی کتابوں میں بھی ان کی نسبت آیا ہے کہ وہ قائم اللیل اور صائم الدہر ہوں گے۔ ان کی راتیں ذکر اور فکر میں گزرتی تھیں۔ اور ان کی زندگی کیونکر بسر ہوتی تھی؟ قرآن کریم کی یہ آیہ شریفہ ان کے طریق زندگی کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھاتی ہے: وَمِن رِباطِ الخَیلِ تُرهِبُونَ بِه عَدُوّ اللّٰه وَعَدُوَّکُم۔ (الانفال:61) اور یٰاَیُّھَا الَّذِینَ آمنُوا اصْبِروا وَصَابِرُوا وَرابِطُوا۔ (آل عمران:201) اور سرحد پر اپنے گھوڑے باندھے رکھو کہ خدا کے دشمن اور تمہارے دشمن اس تمہاری تیاری اور استعداد سے ڈرتے رہیں۔ اے مومنو! صبر اور مصابرت اور مرابطت کرو۔‘‘ (ملفوظات جلد اول صفحہ 34-35)

حضرت مرزا دین محمد صاحبؓ لنگروال فرماتے ہیں:

’’میں اپنے بچپن سے حضرت مسیح موعود کو دیکھتا آیا ہوں۔ اور سب سے پہلے میں نے آپ کو مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی زندگی میں دیکھا تھا۔ جبکہ میں بالکل بچہ تھا آپ کی عادت تھی کہ رات کو عشاء کے بعد جلد سو جاتے تھے۔ اور پھر ایک بجے کے قریب تہجد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور تہجد پڑھ کر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ پھر جب صبح کی اذان ہوتی تو سنتیں گھر میں پڑھ کر نماز کے لیے مسجد میں جاتے۔ اور باجماعت نماز پڑھتے۔

میں حضرت صاحب کے پاس سوتا تھا تو آپ مجھے تہجد کے لیے نہیں جگاتے تھے، مگر صبح کی نماز کے لیے ضرور جگاتے تھے۔ اور جگاتے اس طرح تھے کہ پانی میں انگلیاں ڈبو کر اس کا ہلکا سا چھینٹا پھوار کی طرح پھینکتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ آپ آواز دے کر کیوں نہیں جگاتے اور پانی سے کیوں جگاتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے اور فرمایا کہ آواز دینے سے بعض اوقات آدمی دھڑک جاتا ہے۔‘‘ (سیرت المہدی جلد 3 صفحہ 20)

حضرت حافظ نور محمد صاحبؓ کو بالکل نوجوانی میں قادیان آنے اور حضور کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ اُن کا بیان ہے:

’’اس زمانہ میں حضور کے پاس سوائے دو تین خادموں کے اور کوئی نہ ہوتا تھا۔ پھر بعد میں آہستہ آہستہ دو دو چار چار آدمیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ ان دنوں میں میرے ایک عزیز دوست حافظ نبی بخش صاحب بھی جن کی عمر اس وقت دس بارہ سال کی تھی میرے ہمراہ قادیان جایا کرتے تھے۔ رات ہوتی تو حضرت صاحب ہم سے فرماتے کہ آپ کہاں سوئیں گے۔ ہم حضور سے عرض کرتے کہ حضور ہی کے پاس سو رہیں گے۔ اور دل میں ہمارے یہ ہوتا تھا کہ حضور جب تہجد کے لیے رات کو اٹھیں گے تو ہم بھی ساتھ ہی اٹھیں گے مگر آپ اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھ لیتے تھے اور ہم کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔‘‘ (سیرت المہدی جلد دوم صفحہ 32)

نماز تہجد کب پڑھی جا سکتی ہے؟ اس بارے میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے ایک روایت یوں بیان فرمائی ہے کہ:

’’نماز تہجد کے واسطے آپؑ بہت پابندی سے اٹھا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ تہجد کے معنے ہیں، سو کر اٹھنا، جب ایک دفعہ آدمی سو جائے اور پھر نماز کے واسطے اٹھے تو وہی اس کا وقت تہجد ہے۔ عموماً آپ تہجد کے بعد سوتے نہ تھے۔ صبح کی نماز تک برابر جاگتے رہتے ....‘‘ (الفضل قادیان 3 جنوری 1931ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی محض اپنے فضل سے نماز تہجد کا عادی بنا دے اور توفیق عطا فرمائے کہ ہم رات کی خلوت میں اپنے محبوب خدا کے حضور اس کی مدد اور فضل کے حصول کی دعائیں مانگیں اور ان دعاؤں کی قبولیت کا مشاہدہ کریں۔ آمین

(محمود احمد ملک)



خلافت کی برکات

(اخلاق احمد انجم مبلغ سلسلہ)

وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُم فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِن قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِیْ ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُم مِّن بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْناً یَعْبُدُونَنِیْ لَا یُشْرِکُونَ بِیْ شَیْئاً وَمَن کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُوْلٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (سورۃ النور، آیت 56)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لیے اُن کے دین کو، جو اُس نے اُن کے لیے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

خلافت راہ ظلمت کے لیے روشن چراغاں ہے
اسی سے غلبۂ دیں کے لیے قدرت نمائی ہے
خلافت شعلۂ نورِ نبوت ، مظہرِ قدرت
خلافت نے ہمیں وحدانیت کی مے پلائی ہے

انسانی پیدائش کا اوّلین مقصد قربِ الٰہی کا حصول ہے تا اس کے ذریعہ صفات باری تعالیٰ کا ظہور ہو جیسا کہ حدیث قدسی ہے: کُنْتُ کَنزًا مَخفِیًّا فَاَرَدْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ آدَمَ۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے آدم کو پیدا کیا۔ اور اس عظیم مقصد کے پیش نظر انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ اس سلسلہ کے آخری راہنما ہمارے آقا و مولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نوع انسان کی ہدایت کے لیے جو احکامات آپ ﷺ کو عطا کیے گئے وہ قرآن کریم میں درج ہیں اور ان کا بہترین اسوہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہے۔ انبیاء کے ذریعہ جس نظام کی تخم ریزی ہوئی اس کی آبیاری کے لیے انبیاء کے بعد خلافت کا سلسلہ جاری فرمایا جس کی مؤید یہ حدیث ہے:

مَا کَانَتْ نُبُوَّۃٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْھَا خِلَافَۃٌ

یعنی کوئی بھی ایسی نبوت نہیں گزری جس کے بعد خلافت قائم نہ ہوئی ہو۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین کا دور آیا جو آپ ﷺ کے سچے اور حقیقی جانشین تھے اور جن کے وجودوں میں اللہ تعالیٰ کا نور پوری طرح منعکس تھا۔ ان خلفائے راشدین نے آنحضرت ﷺ کے جوارح اور اعضاء بن کر آپ ﷺ کے مشن اور آپ کی تعلیم و تبلیغ کی تکمیل کی۔ ان کے ذریعہ سے اسلام کو ترقی عطا ہوئی اور جہاں تک خدا کا منشا تھا اسلام دنیا میں پھیلا اور خدا کا نام بلند ہوا۔ پھر قرآن کریم اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیشگوئیوں وَآخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ اور ثُمَّ تَکُوْنُ الْخِلَافَۃُ عَلیٰ مِنْھَاجِ النُّبُوَّۃِ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بگڑی ہوئی امت کی اصلاح اور اشاعت دین کے لیے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو امام مہدی اور مسیح موعود بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ اعلان فرمایا:

’’خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں، کیا یورپ اور کیا ایشیا، ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لیے میں دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔‘‘ (الوصیت صفحہ ۷)

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ امت محمدیہ کا لشکر تیار کیا جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام اور نبی کریم ﷺ پر قربان کرنے کو عین سعادت سمجھا اور تقویٰ شعاروں کی ایک جماعت قائم ہوئی جن کے دلوں سے دنیا کی محبت ٹھنڈی ہوگئی۔ آپؑ کے ذریعہ محمدیوں کا پیر بلند ترین مینار پر استحکام پذیر ہوا۔

جیسا کہ خدا نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کسی انسان کے لیے بقا نہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی رحلت کی خبریں دیں تو آپؑ نے جماعت احمدیہ کو بشارت دی کہ خدائے قادر و توانا آپ کے ذریعہ جاری ہونے والے مشن کو ہرگز ناتمام نہیں چھوڑے گا اور غلبہ اسلام کی آسمانی مہم قدرتِ ثانیہ کے ذریعہ پروان چڑھتی رہے گی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ خدا اس کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ وہ راضی نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو کمال تک نہ پہنچا دے اور وہ اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کے گرد احاطہ بنائے گا اور تعجب انگیز ترقیات دے گا۔‘‘

(انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 64)

پھر دوسری قدرت یعنی خلافت کے نفوذ کی بشارت دیتے ہوئے آپؑ نے یہ اعلان فرمایا:

’’تمہارے لیے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا

تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لیے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ مَیں اِس جماعت کو جو تیرے پَیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے۔ وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔ مَیں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور مَیں خدا کی ایک مجسّم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اَور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔‘‘

(رسالہ الوصیّت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 305 تا 306)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد سنتِ الٰہی کے عین مطابق خلافتِ احمدیہ کا نظام جاری ہوا اور ساری برکات آپ کی جانشین خلافت سے وابستہ کر دی گئیں اور آپ کی جماعت کو متحد رکھنے اور دین واحد پر قائم رکھنے کا کام اَظلال نبوت کے سپرد ہوا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد توحید کے قیام اور مسلمانوں کی یکجہتی اور اتحاد کے لیے اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنایا تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس لیے خلیفہ مقرر کیا ہے تا کہ تمہاری آپس میں محبت اور اُلفت اور شیرازہ بندی قائم رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کی برکات میں سے جو ایک عظیم الشان برکت بیان فرمائی ہے وہ یہی ہے کہ اس کے ذریعہ وحدت قائم رہے اور تفرقہ پیدا نہ جیسا کہ فرمایا:

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً۔ (آل عمران)

ایک وہ وقت تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، نبوت کے نور کے ذریعہ تمہیں ایسی محبت عطا ہوئی کہ تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے مگر اب نبوت کے جانے کے بعد تمہارے اندر اتفاق اور اتحاد تبھی پیدا ہو سکتا ہے کہ تم خدا کی رسّی جو خلافت کی صورت میں عطا کی گئی ہے اُسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔ نبوت کے بعد خلافت ہی ایسی نعمت ہے جس کی برکت سے تم آپس میں محبت اور اُلفت کا ناطہ برقرار رکھ سکتے ہو۔ خلافتِ راشدہ کا نظام وہ جزا ہے جو توحید پرستوں کو عطا ہوتی ہے۔ یہ ایک روحانی جنت کی طرح ہے جس کے گھنے سایوں تلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی نہریں بہتی ہیں اور روحانی فیوض کے اثمار سے اس کی شاخیں لدی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ابوبکرؓ کا بروز نورالدین کی شکل میں عطا فرمایا جو اسلام کی کشتی کو ساحل تک پہنچانے کے لیے مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بھی اور آپؑ کے وصال کے بعد بھی ایک بہادر اور نڈر ملاح کی طرح تمام مخالف لہروں کا مقابلہ کرتا چلا گیا۔ آپ نے جماعت کو متحد رکھنے کے لیے اور توحید کے قیام کے لیے زندگی کے آخری دم تک جدوجہد کی۔ آپ نے جماعت کو خدا کی عبادت کی طرف بلایا۔ آپ نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کی طرف پکارا۔ جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ’’اللہ جلّشانہ کی سچی فرمانبرداری اختیار کرو۔ اس کی اطاعت کرو۔ اس سے محبت کرو۔‘‘

(درس القرآن 17 رجنوری 1908ء)

مزید فرمایا:

’’ایک بات اَور کہنا چاہتا ہوں اور یہ وصیّت کرتا ہوں کہ تمہارا اعتصام حبل اللہ کے ساتھ ہو۔ قرآن تمہارا دستور العمل ہو۔ باہم کوئی تنازع نہ ہو کیونکہ تنازع فیضانِ الٰہی کو روکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم جنگل میں اسی طرح کے نقص کی وجہ سے ہلاک ہوئی۔ رسول کریم ﷺ کی قوم نے احتیاط کی اور وہ کامیاب ہو گئے۔ اب تیسری مرتبہ تمہاری باری آئی ہے اس لیے چاہیے کہ تمہاری حالت اپنے امام کے ہاتھ میں ایسی ہو جیسے میّت غسّال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تمہارے تمام ارادے اور خواہشیں مردہ ہوں اور تم اپنے آپ کو امام کے ساتھ ایسے وابستہ کرو جیسے گاڑیاں انجن کے ساتھ اور پھر ہر روز دیکھو کہ ظُلمت سے نکلتے ہو یا نہیں۔ استغفار کثرت سے کرو اور دعاؤں میں لگے رہو۔ وحدت کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ دوسروں کے ساتھ نیکی اور خوش معاملگی میں کوتاہی نہ کرو۔ تیرہ سو برس کے بعد یہ زمانہ ملا ہے اور آئندہ یہ زمانہ قیامت تک نہیں آسکتا۔ پس اس نعمت کا شکر ادا کرنے پر ازدیادِ نعمت ہوتا ہے۔ لَئِن شَكَرْتُم لَاَزِيدَنَّكُمْ۔ لیکن جو شکر نہیں کرتا وہ یاد رکھے۔ اِنَّ عَذَابِی لَشَدِيْدٌ۔‘‘ (ابراہیم:8)

پھر خلافت کی رداء حضرت مرزا بشیرالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنائی گئی اور آپ نے جماعت کو متحد رکھنے کے لیے انوار خلافت پر متعدد خطبات دیے۔ باون سال تک اسلام کی ترقی اور مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لیے آپ نے اپنی زندگی کا رُواں رُواں وقف کر دیا اور کوئی بیرونی اور اندرونی مخالفت آپ کے راستہ کو نہ روک سکی۔ آپ کی باون سالہ خلافت کا دَور ہر روز ایک نئی ترقی لے کر آتا رہا۔ بیرونی دنیا میں اسلام احمدیت کا پیغام پہنچا اور شرک میں مبتلا لوگ خدائے واحد و یگانہ کے جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ مختلف زبانوں میں تراجم قرآن ہوئے۔ آپ نے ذیلی تنظیموں انصاراللہ، خدام الاحمدیہ، اطفال الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کا قیام فرمایا جو اس دَور میں بھی خلافت احمدیہ کی ہدایات اور نگرانی کے ماتحت شریعت اسلامیہ کے روحانی پانی کو سمیٹے ہوئے چلتی ہیں۔ اور اسی کی برکت و فیض سے تمام افرادِ جماعت آپس میں اُنس، محبت اور اُلفت کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں نیز تعلیم اور تربیت کی راہ پر گامزن ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جماعت کو اپنے بعد بھی خلافت کے جاری رہنے کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو جاتا ہوں لیکن خدا تمہارے لیے قدرت ثانیہ بھیج دے گا۔ مگر ہمارے خدا کے پاس قدرت ثانیہ ہی نہیں۔ اس کے پاس قدرت ثالثہ بھی ہے اور اس کے پاس قدرت ثالثہ ہی نہیں اس کے پاس قدرت رابعہ بھی ہے۔ قدرت اولی کے بعد قدرت ثانیہ ظاہر ہوئی اور جب تک خدا اس سلسلہ کو ساری دنیا میں پھیلا نہیں دیتا اس وقت تک۔ قدرت ثانیہ کے بعد قدرت ثالثہ آئے گی اور قدرت ثالثہ کے بعد قدرت رابعہ آئے گی اور قدرت رابعہ

کے بعد قدرت خامسہ آئے گی اور قدرت خامسہ کے بعد قدرت سادسہ آئے گی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ لوگوں کو معجزہ دکھاتا چلا جائے گا اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اور زبردست سے زبردست بادشاہ بھی اس سکیم اور مقصد کے راستہ میں کھڑا نہیں ہوسکتا جس مقصد کے پورا کرنے کے لیے اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلی اینٹ بنایا۔'' (الفضل 22 ستمبر 1950ء)

پس یہ جماعت جس کی جان خلافت راشدہ میں ہے اور خلیفہ اس کے لیے بمنزلہ دل کے ہے۔ یہ دل قالب بدلتا ہے لیکن خود کبھی نہیں مرتا۔ اس دل کے نام بدلتے ہیں، کام نہیں بدلتے۔ یہ کبھی نورالدینؓ کے لباس میں ظاہر ہوتا ہے، کبھی محمودؓ کا لبادہ اوڑھے ہوئے، کبھی ناصرؒ بن کر غلامانِ محمد کی قومی زندگی کے سینے میں دھڑکتا ہے، کبھی طاہرؒ کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اور کبھی مسرور (ایدہ اللہ) کے روپ میں شمع حیات بن جاتا ہے۔ اور دنیا اس بات کی گواہ ہے کہ یہ مٹھی بھر جماعت خلیفۃ المسیح کی ہر آواز پر سَمعاً و طَاعۃً کے سوا کچھ کہنا نہیں جانتی۔ جو نیکی کی راہیں وہ انہیں دکھاتا ہے وہ بڑی تیزی کے ساتھ ان پر قدم مارتی ہے اور دینِ محمدی کی جس خدمت کے لیے اسے بلاتا ہے وہ لبیک یا سیّدی لبیک کہتی ہوئی اپنی جانیں اور اپنے اموال لیے ہوئے حاضر ہو جاتی ہے۔ وہ اُس کے ایک ہاتھ پر اُٹھنا اور ایک ہاتھ پر بیٹھنا جانتی ہے۔

جیسا کہ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ کہ نبوت کے بعد اسلام کے دینی و روحانی استحکام، اس کی ترقی کا انحصار، اس کے غلبہ اور اس کی ترقیات کا سرچشمہ خلافت ہے۔ ہمارے امام سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہ دَور جس میں خلافت خامسہ کے ساتھ خلافت کی نئی صدی میں ہم داخل ہو رہے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ احمدیت کی ترقی اور فتوحات کا دور ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تائیدات کے ایسے باب کھلے ہیں اور کھل رہے ہیں کہ ہر آنے والا دن احمدیت کی فتوحات کے دن قریب دکھا رہا ہے۔ میں تو جب اپنا جائزہ لیتا ہوں تو شرمسار ہوتا ہوں۔ میں تو ایک عاجز، ناکارہ، نااہل پُر معصیت انسان ہوں۔ مجھے نہیں پتہ کہ خدا تعالیٰ کی مجھے اس مقام پر فائز کرنے کی کیا حکمت تھی لیکن یہ مَیں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس دَور کو اپنی بے انتہا تائید و نصرت سے نوازتا ہوا ترقی کی شاہراہوں پر بڑھاتا چلا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور کوئی نہیں جو اس دور میں جماعت کی ترقی کو روک سکے اور نہ ہی آئندہ یہ ترقی رکنے والی ہے۔ خلفاء کا سلسلہ چلتا رہے گا اور احمدیت کا قدم آگے سے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔'' (خطاب بر موقع صد سالہ جوبلی 2008ء)

ہر احمدی اس بات کا گواہ ہے کہ خلافت خامسہ کے دَور میں فتوحات اور ترقیات کے نئے باب کھلے ہیں۔ خدائی وعدہ کے مطابق اس دور میں تبلیغ احمدیت کو وسعت عطا ہوئی اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آسمان پر ایک شور برپا ہے اور فرشتے پاک دلوں کو کھینچ کر لا رہے ہیں۔ اس دور خلافت میں بھی ہر سال لاکھوں نفوس اسلام احمدیت کے نور سے منور ہو رہے ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا، کیا افریقہ اور کیا امریکہ، انڈونیشیا، جاپان، فجی، ہر ملک میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے متعدد دَورے فرمائے اور اسلام کی پُر امن تعلیمات کو ہر طبقہ کے لوگوں کے سامنے پیش فرمایا اور ان کو بتایا کہ اسلام کی راہ ہی امن کی راہ ہے اور اس کے جھنڈے تلے آ کر ہی تم روحانی ہلاکتوں اور دنیوی جنگوں سے بچ سکتے ہو۔ کئی مساجد کے سنگ بنیاد رکھے اور کئی مساجد کا افتتاح فرمایا۔

جلسہ سالانہ یوکے (2021ء) کے دوسرے دن کے خطاب میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے افضال و برکات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ایک سال میں پاکستان کے علاوہ دنیا بھر میں 403 نئی جماعتیں قائم ہوئی ہیں۔ ان نئی جماعتوں کے علاوہ 829 نئے مقامات پر پہلی بار احمدیت کا پودا لگا ہے۔ 211 مساجد کا اضافہ ہوا ہے۔ 123 نئے مشن ہاؤسز کا اضافہ ہوا ہے۔ ایک لاکھ پچیس ہزار دو سو اکیس افراد بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے ہیں۔ تراجم قرآن کریم میں اضافہ ہوا ہے۔ کتب کی اشاعت میں اضافہ ہوا ہے۔ رقیم پریس میں چھپنے والی کتب کی تعداد تین لاکھ پندرہ ہزار ہے۔ دنیا کے 90 ممالک میں 591 سے زائد ریجنل اور مرکزی لائبریریز کا قیام ہو چکا ہے۔ ایم ٹی اے چینلز میں اضافہ ہوا ہے اور اللہ کے فضل سے آٹھ چینل چوبیس گھنٹے نشریات پیش کر رہے ہیں۔ ریڈیو اسٹیشنز میں اضافہ ہوا ہے۔ ابھی اگست میں ٹرکش ریڈیو کا افتتاح ہوا ہے۔ پس بے شمار افضال اور برکات ہیں جو اس دور خلافت میں جماعت پر نازل ہو رہے ہیں۔ یہ ایک سال کا ذکر ہے اور سال بھی وہ جس میں کرونا وائرس دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور بہت سے ممالک میں مکمل لاک ڈاؤن کی وجہ سے تبلیغ کی راہیں مسدود ہیں۔

آپ کے دَور خلافت کی ہی برکت ہے کہ دنیا کے کئی ممالک یوکے، جرمنی، کینیڈا، غانا، سیرالیون، تنزانیہ، بورکینا فاسو وغیرہ میں جامعات کا قیام عمل میں آیا ہے اور ہر سال مبلغین تیار ہو کر میدان عمل میں حضور انور ایدہ اللہ کی براہ راست راہنمائی میں تبلیغ اور تعلیم و تربیت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ نے ایک فوج تیار کی ہے جس کا مقصد اسلام احمدیت کے لیے دلوں کو جیتنا ہے۔

خلافت کی برکت اور اس کے ساتھ وابستہ ترقیات کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقع پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''دیکھیں اللہ تعالیٰ کس شان سے اپنے وعدے پورے فرماتا ہے۔ کس طرح اپنے رسول ﷺ کے قول کو پورا کرتا ہے۔ کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ دی گئی خوشخبری کو نہ صرف پورا فرماتا ہے بلکہ آج تک ہر روز ایک نئی شان سے پورا فرماتا چلا جا رہا ہے۔ وہ دس سال کی بات کرتے تھے کہ اس سے پہلے ہی آریہ اور عیسائی یہاں قبضہ کر لیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کاموں کی اپنی شان ہے وہ دس سال بھی گزر گئے اور اس کے بعد کئی دہائیاں گزر گئیں اور آج اس بات کو 101 سال ہو گئے ہیں لیکن نہ صرف انتہائی نامساعد حالات کے باوجود قادیان ترقی کر رہا ہے۔...... نئی سے نئی جدید عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ ایک سکول پر قبضہ کرنے کی بات کرتے تھے کئی کروڑ روپے کی لاگت سے نئے سکول بن رہے ہیں۔ تبلیغ کے کام بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں بہت وسعت اختیار کر چکے ہیں اور پھر قادیان ہی نہیں دنیا کے بہت سے ممالک میں خلافت احمدیہ کے ساتھ وابستہ جماعت کی کئی کئی منزلہ عمارتیں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا ثبوت دے رہی ہیں۔ دنیا کے ہر مذہب کے افراد تک اسلام کی خوبصورت تعلیم پہنچ رہی ہے۔ پس یہ تائید ہے اللہ تعالیٰ کی

خلافت احمدیہ کے ساتھ جس کے نظارے ہم ہر روز دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا جرمنی بھی ان فیوض سے خالی نہیں ہے جو خلافت سے جڑنے والوں کو اللہ تعالیٰ پہنچا رہا ہے۔ ابھی چند دن پہلے جماعت کی دو ذیلی تنظیموں انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ نے پانچ منزلہ عمارت خریدی جو ایک اعشاریہ سات ملین یا سترہ لاکھ یورو کی خریدی گئی۔ وہ خزانہ جس میں خلافت کے مخالفین نے ایک روپے سے بھی کم رقم چھوڑی تھی اور ہنستے تھے کہ دیکھیں اب نظام کس طرح چلے گا۔ اس خلافت سے وابستہ ایک جماعت کی دو ذیلی تنظیموں نے آج ایک پانچ منزلہ وسیع عمارت تقریباً انیس کروڑ روپے سے بھی زیادہ مالیت خرچ کر کے خریدی ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور خلافت احمدیہ کی تائید نہیں تو اَور کیا ہے؟ جو خلافت سے علیحدہ ہوئے ان کا مرکزی نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔'' (خطبہ جمعہ 29 مئی 2015ء)

خوف کا امن میں بدل جانا

خلافت کی عظیم الشان برکات میں سے ایک برکت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے خوف کو امن میں بدل دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا پر ایک زلزلہ آ جاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ کسی خلیفہ کے ذریعہ اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا ازسرِ نو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔'' (ملفوظات جلد دہم صفحہ 229)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''آج جماعت احمدیہ کی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر خوف کو خلافت کی برکت سے امن میں بدل دیا۔ چاہے وہ خلافت اولیٰ کا دور تھا جس میں بیرونی مخالفتوں کے علاوہ اندرونی فتنوں نے بھی سر اٹھانا شروع کر دیا تھا یا خلافت ثانیہ کا دور تھا جس میں انتخاب خلافت سے لے کر خلافت ثانیہ کے پورے دَور میں مختلف فتنے اندرونی طور پر بھی اٹھتے رہے۔ جماعت کا ایک حصہ علیحدہ بھی ہوا۔ بیرونی مخالفتوں نے بھی شدید حملوں کی صورت اختیار کر لی لیکن خلافت کی دعاؤں، برکات اور ہر موقع پر بروقت راہنمائی نے جماعت کو ہر خوف سے محفوظ رکھا۔ احمدیت کی ترقی میں کوئی روک پیدا نہ ہوئی۔ پھر خلافت ثالثہ میں بھی بیرونی حملوں کی شدت اور بعض اندرونی فتنوں نے سر اٹھایا لیکن جماعت ترقی کرتی چلی گئی اور جماعت کو خلافت احمدیہ آگے ہی بڑھاتی چلی گئی۔ پھر خلافت رابعہ کا دَور آیا تو دشمن نے ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کے خیال میں اس نے جماعت کو ختم کرنے کے لیے ایسا پکا ہاتھ ڈالا تھا کہ اس سے بچنا ناممکن تھا۔ کوئی راہ فرار نہیں تھی لیکن حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ بڑی شان کے ساتھ پورے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے۔ وہ قدرت ظاہر ہوئی اور اس نے مخالفین کی خاک اڑا دی۔

پھر خلافت خامسہ کا دَور ہے۔ اس میں بھی حسد کی آگ اور مخالفت نے شدت اختیار کر لی۔ کمزور اور نہتے احمدیوں پر ظالمانہ حملے کر کے خون کی ظالمانہ ہولی کھیلی گئی۔ اندرونی طور پر جماعت کے ہمدرد بن کر جماعت کے اندر افتراق پیدا کرنے کی بھی کوششیں ہوتی رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تائید یافتہ خلافت کی زبردست قدرت اس کا مقابلہ کرتی رہی اور کر رہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی مخالفین کا مقابلہ کر رہا ہے۔ میں تو ایک کمزور نا کارہ انسان ہوں، میری کوئی حیثیت نہیں لیکن خلافت احمدیہ کو اس خدا کی تائید و نصرت حاصل ہے جو قادر و توانا اور سب طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وعدہ کیا ہے کہ میں زبردست قدرت دکھاؤں گا اور وہ دکھا رہا ہے اور دکھائے گا اور دشمن ہمیشہ اپنی چالاکیوں، اپنی ہوشیاریوں، اپنے حملوں میں خائب و خاسر ہوتا چلا جائے گا اور ہو رہا ہے۔'' (خطبہ جمعہ 27 مئی 2011ء)

تزکیہ نفس بھی خلافت کی برکت سے ہی حاصل ہوتا ہے

انبیاء کی بعثت کی بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان حاصل کریں اور گناہ آلودہ زندگی سے نجات پائیں۔ دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور نفوس کا تزکیہ ہو۔ جیسا کہ خدا خود فرماتا ہے يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

''میں جو بات آپ کو پہنچانا چاہتا تھا وہ یہی ہے کہ میں انسان کو گناہ سے بچنے کا حقیقی ذریعہ بتاتا ہوں اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا کرنے کی راہ دکھاتا ہوں۔ یہی میرا مقصد ہے جس کو لے کر میں دنیا میں آیا ہوں۔'' (ملفوظات جلد 3)

نبی کی وفات کے بعد یہ کام خدا کے قائم کردہ خلیفہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور خلافت ہی دراصل وہ چشمہ ہے جس سے روحانیت کے سوتے پھوٹ کر امت کی کھیتی کو ہر وقت سیراب کرتے رہتے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ایک پاک جماعت کا قیام فرمایا جو تقویٰ کی راہوں پر قدم مارنے والی جماعت ہے۔ آپ کی بیعت میں شامل ہونے والوں نے ایک نئی زندگی حاصل کر لی اور انہوں نے جان لیا کہ ان کی زندگی کا کیا مقصد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء جو آپ کے سچے جانشین ہیں ان کے وجودوں میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ روشنی منعکس ہوئی اور وہ اس روشنی کے ذریعہ سعید روحوں کو باقاعدہ اور مسلسل منور کرتے رہے اور اب خلافت خامسہ کے دور میں اس نور کی شعاعیں نئی شان کے ساتھ تمام عالم میں پہنچ رہی ہیں۔ آپ ایدہ اللہ تعالیٰ بڑی جانفشانی کے ساتھ مردوں، عورتوں، بچوں اور جوانوں اور بوڑھوں، سب کی حقیقی منزل کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں اور مسلسل خطبات، خطابات، ذاتی اور انفرادی ملاقاتوں، اجتماعی پروگراموں کے ذریعہ افراد جماعت کو تقوی کے قیام کی طرف توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ ہر خطبہ اور خطاب احباب جماعت کے تزکیہ نفس کے لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد پر ہوتا ہے۔ Covid کے نامساعد حالات میں جبکہ فزیکل انفرادی ملاقاتوں اور اجتماعات اور جلسوں وغیرہ کے انعقاد میں مشکلات پیش آئیں تو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے virtual ملاقاتوں کا سلسلہ شروع فرمایا۔ ویڈیو لنک کے ذریعہ ملکوں ملکوں پہنچ کر احمدیوں کے تزکیہ نفوس کا کام شروع فرمایا اور باقاعدگی سے مختلف ممالک کی مجالس عاملہ، اطفال، خدام، انصار اور لجنہ کے ساتھ الگ الگ میٹنگز کر کے ان کی دینی و دنیوی، روحانی اور اخلاقی، مذہبی اور

سیاسی معاملات میں راہنمائی فرمارہے ہیں۔اس کے ذریعہ جہاں اپنے روحانی باپ کو دیکھ کر پیاسی روحوں اور پیاسی آنکھوں کی سیرابی کے سامان ہوئے وہاں افراد جماعت کے علم وعرفان میں اضافہ ہورہا ہے اوران کے لیے تزکیہ نفس کے سامان بھی پیدا ہورہے ہیں۔اس ذریعہ سے ایسے لوگوں نے بھی حضور کا دیدار آمنے سامنے کیا جو عام حالات میں کسی وجہ سے بھی ملاقات کی توفیق نہیں رکھتے تھے۔ان کی خوشی تو دیدنی ہوتی ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ 3 ستمبر 2021ء میں عزیزم سید طالع احمد شہید کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک ہیرا تھا جو ہم سے جدا ہو گیا۔......وہ خلیفۂ وقت کے الفاظ پر عمل کی کس کس طرح کوشش کرتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مربیان سے بعض میٹنگز میں میں نے کہا تھا کہ مربیان کو ایک گھنٹے کے قریب تہجد پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔عزیز طالع نے اس پر عمل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔''

تو یہ تزکیہ نفس ہے۔ یہ پاک تبدیلی ہے جو خلافت کی برکت سے احمدی وجودوں میں آتی ہے۔وہ یقیناً ہیرا تھا جسے خلافت کی قربت، خلافت کی محبت اور خلافت کی راہنمائی نے تراش کر صیقل کر دیا تھا۔ پاک تبدیلیوں کی بے شمار مثالیں ہیں۔لیکن وقت کی مناسبت سے تازہ اور زندہ مثال آپ کے سامنے پیش کی ہے۔

خلیفۂ وقت کا وجود دعاؤں کا خزینہ ہے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خدا نے مجھے دعاؤں میں وہ جوش دیا ہے جیسے سمندر میں ایک جوش ہوتا ہے۔'' (ملفوظات جلد3 صفحہ 172 ایڈیشن 1988ء)

دعاؤں کا یہ فیض اور برکت بھی نبوت کے بعد خلافت میں جاری ہوتی ہے اور خلیفہ کی صورت میں مومنوں کو ایک ایسا وجود میسر آجاتا ہے جو ہر دم ان کے لیے خدا تعالیٰ کے حضور سربسجود رہتا ہے اوران کے لیے خدا تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا رہتا ہے، اور احمدیوں کو حق الیقین ہے کہ دربارِ خلافت سے کی گئی دعائیں عرش پر قبولیت کا درجہ پاتی ہیں۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''خلیفۂ وقت کا تو دنیا میں پھیلے ہوئے ہر قوم اور ہر نسل کے احمدی سے ذاتی تعلق ہے۔......یہ خلافت ہی ہے جو دنیا میں بسنے والے ہر احمدی کی تکلیف پر توجہ دیتی ہے۔ان کے لیے خلیفۂ وقت دعا کرتا ہے۔کون سا لیڈر ہے، جو بیماروں کے لیے دعائیں بھی کرتا ہو۔کون سا لیڈر ہے جو اپنی قوم کی بچیوں کے رشتوں کے لیے بے چین اوران کے لیے دعا کرتا ہو۔کون سا لیڈر ہے، جس کو بچوں کی تعلیم کی فکر ہو۔حکومت بے شک تعلیمی ادارے بھی کھولتی ہے، صحت کے ادارے بھی کھولتی ہے۔تعلیم تو مہیا کرتی ہے لیکن بچوں کی تعلیم کی فکر جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی فکر صرف آج خلیفۂ وقت کو ہے۔جماعت احمدیہ کے افراد ہی وہ خوش قسمت ہیں جن کی فکر خلیفۂ وقت کو رہتی ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں۔ان کی صحت کی فکر خلیفۂ وقت کو رہتی ہے۔......کوئی مسئلہ بھی دنیا میں پھیلے ہوئے احمدیوں کا چاہے وہ ذاتی ہو یا جماعتی ایسا نہیں جس پر خلیفۂ وقت کی نظر نہ ہو اوراس کے حل کے لیے وہ عملی کوشش کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے حضور نہ جھکتا ہو، اس سے دعائیں نہ مانگتا ہو۔ میں بھی اور میرے سے پہلے خلفاء بھی یہی کرتے رہے۔......دنیا کا کوئی ملک نہیں جہاں رات سونے سے پہلے چشم تصور میں مَیں نہ پہنچتا ہوں اوران کے لیے سوتے وقت بھی اور جاگتے وقت بھی دعا نہ ہو۔'' (خطبات مسرور جلد12 صفحہ 348)

یہ کوئی زبانی دعویٰ نہیں۔خلیفہ کی دعاؤں اوران کی قبولیت کے نظارے پہلی خلافتوں میں بھی ہمیں نظر آتے ہیں اور خلافت خامسہ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک خاص سلوک ہے کہ آپ کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرماتا ہے اوران دعاؤں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں پاک تبدیلی پیدا کی۔آپ کی دعاؤں کے نتیجہ میں موت کے منہ تک پہنچے ہوئے افراد جماعت کو نئی زندگی عطا ہوئی جس کے واقعات ہمارے روزمرہ مشاہدے کا حصہ ہیں۔

مثلاً ہمارے ایک عرب بھائی مکرم ابراہیم اِخلف صاحب جو نیشنل سیکرٹری تبلیغ یوکے بھی ہیں۔وہ کرونا وائرس کی وجہ سے بیمار ہو گئے اور بیماری اتنی شدّت اختیار کر گئی کہ ڈاکٹروں کے مطابق بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی اوران کو خود بھی یہ لگنے لگا کہ وہ زندہ نہیں بچیں گے۔ بیماری کے آغاز سے ہی حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں دعا کے لیے درخواست کی گئی تھی اور حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں دعا کر رہا ہوں اور آپ نے ہومیو پیتھک ادویات بھی تجویز فرمائیں اور استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی۔ باقاعدگی سے ان کی طبیعت کے بارہ میں بھی استفسار فرماتے رہے۔منیر عودہ صاحب نے ایک ملاقات کے دوران ابراہیم صاحب کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ ابراہیم صاحب کی اہلیہ مریم صاحبہ بہت پریشان ہے اور حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی بخش الفاظ کی منتظر ہے۔امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا۔''مریم سے کہہ دو کہ تسلّی رکھے۔ابراہیم کو کچھ نہیں ہوگا اور وہ صحت یاب ہو جائے گا۔''اسی دن سے خدا تعالیٰ جو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے والا ہے کے فضل سے ابراہیم صاحب کی حالت میں بہتری آنے لگی اور وہ مکمل طور پر شفایاب ہو گئے اور اب پہلے سے بھی بڑھ کر اسلام احمدیت کی خدمت میں مصروف ہیں۔حضور انور ایدہ اللہ کی دعا کے معجزہ نے جہاں ان کو ظاہری زندگی دی ہے وہاں آپ کی زندگی میں ایک روحانی جوش بھی پیدا کر دیا ہے۔

ایک نوجوان نبیل احمد بھٹی صاحب کی بیماری اور حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعا سے معجزانہ شفا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ قبولیت دعا کا جو نشان اور برکت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی وہی برکت آپ کی خلافت کو عطا کی گئی ہے۔ان کو اچانک کسی وائرس کا حملہ ہوا اور بڑی تیزی سے ان کے جسم کا نظام درہم برہم ہو گیا اور ڈاکٹرز نے ان کے والدین کو کہہ دیا کہ ہم اس کو بچا نہیں سکتے تو سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ اور دعاؤں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس مُردے کو زندہ کیا۔تین Consultants نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ ہم نے اپنے 35 سالہ تجربے میں مشاہدہ کیا ہے کہ اس حالت کا مریض Survive نہیں کرتا۔ بعد میں ایک ملاقات کے دوران نبیل کو حضور انور نے فرمایا کہ ''ڈاکٹرز نے تمہیں مار دیا تھا لیکن خدا نے کہا میں نے نہیں مارنا۔''

بلغاریہ کے نو احمدی مسٹر Etem جلسہ سالانہ یوکے 2015ء پر آئے۔اُن کی اہلیہ احمدی نہیں تھیں اوران کا کہنا تھا کہ میری تین بیٹیاں ہیں اگر بیٹا ہو جائے تو

مَیں احمدی ہو جاؤں گی۔ چنانچہ انہوں نے حضورِ انور کی خدمت میں اس حوالے سے دعا کے لیے لکھا۔ اگلے سال جب وہ جلسہ پر آئیں تو سات ماہ کی حاملہ تھیں۔ ملاقات پر انہوں نے بچے کا نام تجویز کرنے کی درخواست کی، حضور انور نے صرف لڑکے کا نام تجویز فرمایا۔ جب وہ واپس گئیں تو اپنے ڈاکٹرز سے ملیں اور انہوں نے کہا کہ آپ کے ہاں بیٹی ہوگی۔ اس پر مسز Etem وہاں کے مبلغ سلسلہ سے ملیں اور کہا کہ مجھے حضور سے لڑکی کا نام منگوادیں۔ مبلغ نے کہا کہ آپ نے تو کہا تھا بیٹا ہوتو احمدی ہو جاؤں گی اور حضور نے لڑکے کا نام ہی تجویز فرمایا تھا اب ان شاء اللہ آپ کے بیٹا ہی ہوگا چاہے ڈاکٹرز کی مشینیں جو بھی کہیں۔ اس کے جواب میں اُس خاتون نے کہا میں تو پہلے ہی احمدی ہو چکی ہوں۔ چنانچہ جب بچے کی پیدائش ہوئی تو وہ لڑکا تھا اور اگلی دفعہ وہ جلسہ سالانہ پر اپنے نومولود بیٹے کے ساتھ آئیں تو لوگوں کو بتاتی تھیں کہ دیکھو! یہ میرا بچہ خلیفۂ وقت کی دعاؤں کی قبولیت کا نشان ہے۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا مَیں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

روحانی امن ہو یا گھریلو امن، معاشرتی امن ہو یا عالمی امن ہر دائرۂ حیات میں امن کی ضمانت خلافت کی بدولت ہی ہے۔ خلافت ایک العروۃالوثقٰی ہے (یعنی مضبوط کڑا) جس پر ہر قسم کے حالات میں مکمل بھروسا کیا جا سکتا ہے، اور اگر کوئی اس پر بھروسا کرتا ہے تو اس کو گرنے یا ٹھوکر کا ڈر نہیں رہتا۔ لیکن یاد رکھیں یہ ساری برکات اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ مشروط ہیں۔ جب تک کوئی انسان پوری طرح فرمابرداری اختیار نہیں کرتا اور اپنے ارادوں اور خواہشات کو خلیفۂ وقت کے تابع نہیں کرتا اس وقت تک وہ ان برکات سے حقیقی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ خلافت کے بابرکت نظام سے چمٹے رہنا ہی ہماری آئندہ نسلوں کی بقا کا ضامن ہے۔

سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان ہے احمدیوں پر کہ نہ صرف ہادیٔ کامل ﷺ کی اُمت میں شامل ہونے کی توفیق ملی بلکہ اس زمانہ میں مسیح موعود و مہدی علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہونے کی توفیق بھی اس نے عطا فرمائی جس میں ایک نظام قائم ہے، ایک نظامِ خلافت قائم ہے، ایک مضبوط کڑا آپ کے ہاتھ میں ہے جس کا ٹوٹنا ممکن نہیں، لیکن یاد رکھیں کہ یہ کڑا تو ٹوٹنے والا نہیں لیکن اگر آپ نے ہاتھ ذرا ڈھیلے کئے تو آپ کے ٹوٹنے کے امکان پیدا ہو سکتے ہیں۔ ......اس حکم کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور نظامِ جماعت سے ہمیشہ چمٹے رہو، کیونکہ اس کے بغیر آپ کی بقا نہیں۔‘‘

(خطبہ جمعہ 22/اگست 2003ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک موقع پر فرمایا:

’’اے خلافتِ محمدیہ کے جانثارو، جو شمع خلافتِ محمدیہ کے گرد آج اس میدان میں پروانوں کی طرح جمع ہوئے ہو۔ اس روحانی اجتماع میں شرکت کرنے والی سعید روحو! تمہی تو بُستانِ احمد کے گُل بوٹے ہو جن کی سربلندی اور شادابی کی خوشخبریاں مسیح موعودؑ نے دنیا کو دیں۔ وہ تم ہو جن پر نسیمِ رحمت پھر سے چلی ہے اور وقت خزاں میں جن پر عجب طرح کی بہار آگئی۔ سو سنو! اور خوب اچھی طرح اسے اپنی عقل و فراست کی گانٹھوں میں باندھ کر محفوظ کر لو کہ تمہاری شادابی اور تمہاری یہ بہارِ نو، تمہاری کلیوں کا چٹکنا اور شگوفوں کا پھوٹنا یہ سب سرتاپا خلافتِ محمدیہ کے دم قدم کی برکت سے ہے۔ یہ نعمت تمہیں ہجر کی تیرہ، طویل، دردناک اور صدیوں کی گریہ وزاری کے بعد نصیب ہوئی ہے۔ اب اس نعمت کو سرآنکھوں پر بٹھانا، سینہ سے لگانا اور اپنے بچوں اور اپنی بیویوں اور اپنے باپوں اور اپنے ہر دوسرے پیارے سے ہزار بار بڑھ کر عزیز رکھنا۔ تمہارے اِحیاء اور تمہاری بقا کی تمام کنجیاں خلافت میں رکھ دی گئی ہیں۔ سب تدبیریں قیامت تک کے لیے خلافت سے وابستہ ہو چکی ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کی تقدیر اس نظام سے وابستہ ہے اور تمہاری غیر متناہی عظیم شاہراہ اس در سے ہو کر گزرتی ہے جسے خلافتِ راشدہ محمدیہ کہا جاتا ہے۔ جان دے کر بھی اس نعمت کی حفاظت کرو، اور ایک کے بعد دوسرے آنے والے خلیفۂ راشد سے انصار کی زبان میں یہ منّت عرض کرو کہ اے خلیفۃ الرسول! ہم تمہارے آگے بھی لڑیں گے، ہم تمہارے پیچھے بھی لڑیں گے، ہم تمہارے دائیں بھی لڑیں گے اور تمہارے بائیں بھی لڑیں گے۔ اور خدا کی قسم! خدا کی قسم! اب قیامت تک کسی دشمن کی مجال نہ ہوگی کہ محمدِ عربی ﷺ کی خلافت کو بُری نظر سے دیکھ سکے۔‘‘

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۷۳ء۔ تقاریر قبل از خلافت صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۴)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ان بابرکت الفاظ پر میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں:

’’مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے۔ مگر ہاں یہ شرط ہے کہ سچی اطاعت ہو اور یہی ایک مشکل امر ہے۔ اطاعت میں اپنے ہوائے نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ بدوں اس کے اطاعت ہو ہی نہیں سکتی اور ہوائے نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے موحدوں کے قلب میں بھی بت بن سکتی ہے۔...... اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ اس میں یہی سِر ہے۔ اللہ توحید کو پسند فرماتا ہے اور یہ وحدت قائم نہیں ہو سکتی جب تک اطاعت نہ کی جاوے۔ پیغمبر خدا کے زمانہ میں صحابہ بڑے بڑے اہل الرائے تھے۔...... مگر رسول اللہ ﷺ کے حضور ان کا یہ حال تھا کہ جہاں آپ نے کچھ فرمایا اپنی تمام راؤں اور دانشوں کو اس کے سامنے حقیر سمجھا اور جو کچھ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا اسی کو واجب العمل قرار دیا۔...... ناسمجھ مخالفوں نے کہا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے مگر مَیں کہتا ہوں یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دل کی نالیاں اطاعت کے پانی سے لبریز ہو کر بہ نکلی تھیں۔ یہ اطاعت اور اتحاد کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے دوسروں کو تسخیر کر لیا۔ تم جو مسیح موعود کی جماعت کہلا کر صحابہ کی جماعت سے ملنے کی آرزو رکھتے ہو، اپنے اندر صحابہ کا رنگ پیدا کرو۔ اطاعت ہو تو ویسی، باہم محبت اور اخوت ہو تو ویسی۔ غرض ہر رنگ میں، ہر صورت میں تم وہی شکل اختیار کرو جو صحابہ کی تھی۔‘‘ (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد دوم)

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں شمع خلافت سے محبت، عشق اور فدائیت میں ہمیشہ بڑھاتا چلا جائے۔ ہم خلافت کی مکمل اطاعت کرنے والے ہوں اور جو برکات خلافت سے وابستہ ہیں ہم ان کے حقیقی وارث بن سکیں۔ آمین۔

محترم فضل الرحمٰن خان صاحب مرحوم سابق امیر جماعت راولپنڈی کی

نظامِ خلافت کی اہمیت اور خلفائے کرام کے حوالے سے چند خوبصورت یادیں

(فرخ سلطان محمود)

محترم فضل الرحمٰن خان صاحب مرحوم سابق امیر جماعت راولپنڈی کی خلفائے سلسلہ احمدیہ کے حوالے سے بیان کردہ چند خوبصورت یادیں ہدیۂ قارئین ہیں جو آپ نے ایم ٹی اے انٹرنیشنل کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے بیان فرمائیں:

جب مجھے انجینئرنگ کالج لاہور میں داخلہ ملا تو یہ اس وقت پنجاب کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی تھا اور اس میں داخلہ بہت مشکل ہوتا تھا۔ مَیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے اجازت لینے کے لیے رتن باغ آیا تو رتن باغ کے لان میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ٹہل رہے تھے۔ چونکہ ایک خوشی کی بات تھی اس لیے مَیں نے آپ کو بتایا مجھے انجینئرنگ کالج میں داخلہ مل گیا ہے۔ فرمانے لگے کہ کیا آپ نے حضرت صاحب کو بتا دیا ہے؟ حضور سے اجازت لے لی ہے؟ مَیں نے کہا: ابھی نہیں بتایا، میں جانے لگا ہوں۔ تو نصیحتاً انہوں نے کہا کہ خوشی کی بات سب سے پہلے حضور کو بتایا کریں۔ تو یہ ایک Student کے لیے تربیت کا ایک نکتہ تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں مَیں نے تحریری اطلاع کی تو حضور نے اجازت دی۔ اس کے بعد ملاقات میں حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن پاکستان بننے کے بعد سے Inactive ہوگئی ہے۔ آپ اس کو Active کریں۔ مَیں نے عرض کی کہ مَیں تو ابھی نیا نیا لاہور آیا ہوں اور میری یہاں جان پہچان بھی زیادہ نہیں ہے تو اگر حضور کسی کو Nominate کردیں تاکہ بطور Patron مَیں ان سے ہدایات لے کر کام کرتا رہوں۔ اس پر حضورؓ نے فرمایا کہ نام بتاؤ۔ اس وقت تعلیم الاسلام کالج بھی لاہور میں تھا تو مَیں نے کالج کے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا نام لیا۔ حضورؓ نے فرمایا: نہیں، اگر اُن کو مَیں نے بنا دیا تو یہ ایسوسی ایشن ٹی آئی کالج کی ایسوسی ایشن بن کر رہ جائے گی۔ مَیں چاہتا ہوں انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن الگ ہو اور اس میں ٹی آئی کالج ایک یونٹ کی حیثیت سے شامل ہو۔ پھر مَیں نے غالباً قاضی محمد اسلم صاحب کا نام لیا تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہاں وہ ٹھیک ہیں۔ آپ میری طرف سے جا کر اُن کو پیغام دے دیں اور ان کو کہیں کہ وہ فوری طور پر کام شروع کردیں۔

بہرحال پھر کام شروع ہوگیا۔ قاضی صاحب نے دلچسپی سے اس تنظیم کو آرگنائز کرنے میں ہماری راہنمائی کی۔ پہلے ہم نے اس کا آئین اور دستور بنایا۔ پھر تمام کالجوں میں جتنے احمدی لڑکے تھے ان کی لسٹیں بنائیں اور ان سے رابطہ کیا۔ قاضی صاحب اس وقت گورنمنٹ کالج میں وائس پرنسپل تھے۔ قاضی صاحب نے خود ہی ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو بھی ساتھ ملا لیا جو اُن دنوں گورنمنٹ کالج میں لیکچرار تھے۔ یہاں تک کہ ایسوسی ایشن بن گئی اور مجھے بھی چند سال تک اس میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران ایک ملاقات میں حضورؓ نے مجھے فرمایا کہ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مَیں نے اپنے بیٹے کو کالج کا پرنسپل بنایا ہوا ہے۔ شاید اُس کو اٹھانا چاہتے ہیں اور خلیفہ بنانے کا خیال ہوگا تو آپ مجھے بتائیں کہ لاہور میں کوئی ایسا شخص ہے جو کہ میرے اس کالج کا پرنسپل بن سکے۔ اب یہ ایک طالبعلم کے لیے بڑا مشکل سوال تھا لیکن چونکہ حضرت صاحب نے پوچھا تھا، مجھے کچھ نہ کچھ تو عرض کرنا تھا۔ مَیں نے کہا حضور! قاضی اسلم صاحب ہوسکتے ہیں۔ کہنے لگے اچھا اَور؟ مَیں نے کہا ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ہوسکتے ہیں۔ حضورؓ نے فرمایا کہ آپ دونوں کے پاس جائیں اور میری طرف سے اُن کو یہ پیغام دیں کہ جو صاحب بھی رضامندی ظاہر کریں مَیں اُس کو پرنسپل لگانے کے لیے تیار ہوں۔ پھر واپس آکر مجھے بتائیں۔ چنانچہ میں پہلے قاضی صاحب کے پاس اور پھر ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا۔ ان دونوں بزرگوں نے موزوں طریق سے اپنی مشکلات بیان کیں۔ انکار نہیں کیا، کہا کہ حضور کا جو حکم ہوگا ہم حاضر ہوں گے مگر ہماری یہ مشکلات ہیں۔ چنانچہ چند دن بعد حضرت صاحب کے پاس مَیں ربوہ میں حاضر ہوا تو حضورؓ نے اس بارے میں پوچھا اور مَیں نے بتایا تو اُس وقت یہ بات کھلی کہ کچھ طلبہ تھے جنہیں اُکسایا جارہا تھا اور جو 1956ء میں ایک فتنہ بنا اور چند دوست علیحدہ بھی ہوگئے۔ تو یہ فتنہ اُس وقت سر اٹھا رہا تھا اور حضورؓ کی اس پر نظر تھی۔ مَیں بھی انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن کا ممبر بلکہ اس کا صدر تھا، ہماری غفلت کہہ لیں ہمارے علم میں یہ نہیں تھا۔ حضورؓ نے فرمایا کہ آپ اپنے طلباء کو یہ بات بتائیں کہ یہ میری مجبوری ہے ورنہ میرے پاس تو بیسیوں کام ہیں مرزا ناصر احمد کے لیے اور مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو کہ ٹی آئی کالج کا پرنسپل ہو۔ یہ تو میری قربانی ہے کہ مَیں نے اپنے بیٹے کو وہاں رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ جیسے حضور کی ہدایت تھی ہم نے طلبہ کو بتایا۔ اس میں تربیت کا پہلو ہے کہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں۔ اگر کہیں پر اشارۃً بھی شر پیدا کرنے کی کوشش ہوتی نظر آئے تو جماعت کے نظام کو بیدار ہونا چاہیے اور خلیفۂ وقت کی خدمت میں جا کر عرض کرنا چاہیے تاکہ مناسب تدارک کیا جاسکے۔

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ حضورؓ سے راہ نمائی لینے کے مجھے کافی مواقع ملتے رہے۔ چند ایک جن کا تعلق تربیتی نکتہ نگاہ سے ہے وہ بیان کر دیتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہمیں اطلاع ملی کہ حضورؓ لاہور تشریف لا رہے ہیں تو انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن میں ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور کا ایک لیکچر کرایا جائے اور ہماری ایگزیکٹو نے مجھے کہا کہ تم ربوہ جاؤ اور حضور سے درخواست کرو۔ مَیں ربوہ گیا، ملاقات کا وقت لیا، اس وقت ربوہ میں کچے دفاتر تھے، کچی مسجد تھی اور پرانا قصرِ خلافت جو

یادگار چوک کی جگہ پر تھا، یہ ملاقات وہاں ہوئی۔ کئی ناظر صاحبان بھی حضور سے ملاقات کے لیے انتظار کر رہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب نے اگلے دن لاہور جانا تھا اور غالباً کافی دنوں کے لیے جانا تھا اس لیے انہوں نے ہدایات لینی تھیں۔ میں حیران بھی تھا کہ اتنے بہت سے بزرگ بیٹھے ہیں مجھے تو مشکل سے کوئی وقت ملے گا۔ خیر حضورؓ نے پہلے مجھے ہی بلا لیا۔ اب چونکہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ حضور کس غرض سے لاہور جا رہے ہیں تو میں نے جاتے ہی کہا: حضور سنا ہے آپ لاہور تشریف لا رہے ہیں تو ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہم حضور کے ایک لیکچر کا انتظام کریں۔ اور مَیں نے اپنی حماقت میں یہاں تک کہہ دیا کہ حضور کے لیکچر کا موضوع یہ ہوگا: ''اسلام میں اختلافات کا آغاز''۔ اس موضوع پر حضور کا ایک لیکچر ہو چکا ہے اس کا دوسرا حصہ ابھی نہیں ہوا...... اب یہ بالکل بے وقوفی کی بات تھی، کون خلیفہ وقت کو ایسی بات کہہ سکتا ہے! چنانچہ حضورؓ کے چہرے پر تھوڑی سی ناراضگی کے آثار نظر آئے اور فرمایا: عقل سے کام لینا چاہیے، آپ کو پتہ ہے میں کیوں جا رہا ہوں، میں بیمار ہوں اور علاج کے لیے جا رہا ہوں اور بیمار آدمی لیکچر دیا کرتا ہے؟

اب حضور سے ملاقاتیں تو پہلے بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن یہ انداز مَیں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا لہٰذا اس کا طبیعت پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ میں نے رونا شروع کر دیا۔ ادھر ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ باہر پرائیویٹ سیکرٹری صاحب گھنٹی بجا رہے تھے۔ مَیں اٹھنے لگا تو حضور نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور حضور نے خود باتیں شروع کر دیں اور مختلف باتیں اتنی دیر تک کرتے رہے کہ بالکل وہ ماحول بدل دیا اور جب تک مَیں ہنس نہیں پڑا اس وقت تک مجھے جانے نہیں دیا۔ میں نے اس واقعہ پر بعد میں غور کیا اور جو حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی مصلح موعود ہے تو اس میں جو فقرہ ہے کہ وہ دل کا حلیم ہوگا۔ میرا ذوق یہ ہے کہ مصلح موعود انتظامی طور پر شاید طبیعت کا سخت بھی ہوگا لیکن دل کا حلیم ہوگا۔ جب میں باہر آیا تو بعض ناظر صاحبان کہنے لگے کیا بات تھی آج اتنی لمبی چوڑی؟ میں نے کہا جی کچھ نہ پوچھیں، یہ حضور کی شفقت تھی۔

جب حضور پر چاقو سے حملہ ہوا تھا تو مَیں ان دنوں لاہور میں ہی تھا اور جیسے ہی اطلاع پہنچی تو فوراً ربوہ پہنچ گیا۔ بے حد رش تھا، پولیس بھی اور ڈاکٹر بھی آئے ہوئے تھے۔ ہم سارا دن باہر قصرِ خلافت میں بیٹھے رہے اور شام کو بتایا گیا کہ دوست جانا چاہیں تو چلے جائیں کیونکہ ڈاکٹروں نے ملاقات کی یا زیارت کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ ہم پھر واپس آ گئے۔ چند دن بعد جب ملاقات کی صرف اتنی اجازت ملی کہ حضور بستر پر لیٹے ہوئے تھے اور احباب پاس سے گزرتے جاتے تھے۔ صرف سلام کہنے اور اپنا نام بتانے کی اجازت تھی تو اُن میں ہمارے ایک ساتھی چودھری محمد امجد صاحب بھی تھے۔ اکثر ہم دونوں اکٹھے ربوہ جایا کرتے تھے۔ جب وہ حضور کے پاس سے گزرے اور اپنا نام بتایا تو حضور فوراً فرمانے لگے فضل الرحمٰن کہاں ہے؟ وہ کیوں نہیں آئے؟ اب دیکھیں یہ بہت شفقت کی بات ہے۔ ایک باپ جب بیمار ہوتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے سارے بیٹے اس کے پاس آ جائیں کوئی بیٹا غیر حاضر نہ ہو۔ حالانکہ مَیں کوئی چیز نہیں تھا لیکن اس میں باپ کی جو شفقت نمایاں تھی۔ لہٰذا میں اگلے دن گیا اور سلام عرض کیا۔

انہی ایام میں الفضل سے ہمیں یہ اطلاع ملی کہ حضور لاہور تشریف لا رہے ہیں اور اتنے دن قیام کریں گے۔ مَیں اور چودھری محمد امجد ملاقات کے لیے رتن باغ چلے گئے تو پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کہنے لگے ملاقات کے لیے لسٹ جا چکی ہے۔ تب ہم نے دعا کے لیے ایک رقعہ لکھ دیا جس میں یہ بھی ذکر کر دیا کہ ربوہ میں طلبہ کو اکثر حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا ہے، ہمیں تو شاذونادر ہی موقع ملتا ہے، حضور انجینئرنگ کالج کے طلبہ کو (ہم 13 تھے) ملاقات کا موقع دیں۔ یہ رقعہ دینے کے بعد مَیں ٹی آئی کالج چلا گیا تو تھوڑی دیر بعد پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کا فون آیا کہ حضور نے یاد فرمایا ہے۔ ہم وہاں پہنچے تو ظہر کی نماز کے بعد حضورؓ نے آگے ہی بلا لیا اور فرمایا کہ کیوں ملنا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ ہم صرف حضور کی خدمت میں کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ حضور ہمارے ساتھ چائے پئیں۔ حضور نے فرمایا: ہاں اچھی بات ہے لیکن اس موقع کو کوئی تبلیغی رنگ دیں۔ یونیورسٹی کے اور اپنے کالج کے پروفیسروں کو بلائیں اور سینئر طلبہ میں جو احمدیت کے متعلق کچھ علم رکھنا چاہتے ہیں یا جانتے ہیں ان کو بلائیں۔ مَیں نے کہا: بہت اچھا حضور۔ اب باہر ہم آئے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ پھر ہم نے ٹی آئی کالج میں بیٹھ کر دعوتی کارڈ بنوائے۔ وہاں چوہدری محمد علی صاحب اور صوفی بشارت الرحمٰن صاحب نے ہمیں مشورے دیے کہ کس کس کو بلایا جائے۔ کچھ ہم نے انجینئرنگ کالج کے نام بتائے تو وہ 100 سے کچھ زیادہ کی لسٹ بن گئی۔ چنانچہ ان سب کو دعوت نامے بھجوا دیے۔ دو دن کے بعد حضرت صاحب نے وقت دیا تھا۔ یہ بھی فیصلہ کرنا تھا کہ چائے کہاں دی جائے۔ چونکہ ان دنوں (1952ء) لاہور میں احمدیوں کے خلاف احرار کے ہنگامے شروع ہو چکے تھے اور انجینئرنگ کالج احراریوں کا گڑھ تھا اس لیے حفاظتی نکتہ نگاہ سے ہم نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ حضور کو انجینئرنگ کالج میں لے جائیں۔ چنانچہ ٹی آئی کالج میں ہی انتظام کیا گیا۔

وہ ایک یادگار موقع تھا۔ حضورؓ تشریف لائے۔ میاں بشیر احمد صاحبؓ ساتھ تھے اور وہ سارے مہمان جن کو ہم نے دعوت نامے دیے تھے وہ سب لوگ شوق سے آئے۔ ایک اتنی Attraction تھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وجود میں کہ صاف پتہ لگتا تھا کہ ان کی خواہش تھی کہ حضرت صاحب کے ساتھ ہوں۔ مَیں نے سپاسنامہ پیش کیا جس کے بعد حضور کا خطاب ہوا۔ چونکہ بنیادی طور پر یہ انجینئرنگ کالج کے سٹوڈنٹس کی طرف سے فنکشن تھا تو اس میں حضورؓ نے قرآن کریم سے بعض انجینئرنگ کی باتیں بیان فرمائیں اور بعض دیگر مضامین پر روشنی ڈالی جو کہ قرآن سے اخذ کرتے ہوئے بالکل ماڈرن انجینئرنگ کے متعلق تھیں۔ اس کو ہمارے پرنسپل نے بڑا appreciate کیا۔ ایس ڈی مظفران کا نام تھا۔ جب فنکشن ختم ہوا تو مجھے کہنے لگے کہ آپ نے بڑا غلط کام کیا ہے، آپ نے مجھے پہلے بتایا ہوتا تو ہم حضرت صاحب کو انجینئرنگ کالج میں لے جاتے۔ حضورؓ نے بھی اپنے خطاب میں فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے انجینئرنگ کالج کے لڑکوں کی طرف سے یہ دعوت ہے اور ہے ٹی آئی کالج میں، بہتر ہوتا اگر یہ انجینئرنگ کالج میں ہوتی۔ بہرحال اس تقریب کی رپورٹ اور گروپ فوٹو تاریخ احمدیت جلد 13 میں شامل ہے۔

جب حضورؓ کی وفات ہوئی اُس وقت حیدرآباد ذیل پاک سیمنٹ میں میری پوسٹنگ تھی۔ حضور کی بیماری کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں اور اکثر ہم شام کو وہاں کی مسجد میں اکٹھے ہوتے تھے۔ اُس دن بھی وہاں اکٹھے ہوئے تو بس یہی رپورٹ آئی کہ طبیعت ناساز ہے دوست دُعائیں کریں۔ واپسی پر اپنی گاڑی مَیں خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی صحت کے لیے دُعا کر رہا تھا تو میری دُعا کا رُخ تبدیل ہو گیا اور اچانک مَیں نے خلافت کی حفاظت کے متعلق دُعا کرنا شروع کر دی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد مجھے ایک دم یہ خیال آیا کہ یہ تبدیلی جو ہوئی ہے یہ کوئی اشارہ ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب میں اپنے گھر پہنچا تو وہاں پیغام پہنچ چکا تھا

کہ حضور کا وصال ہو گیا ہے۔ اگلے روز ہم بہت سارے لوگ وہاں سے ربوہ آئے۔ وہاں سے براہ راست آنا بہت مشکل تھا۔ پہلے کراچی جانا پڑا۔ کراچی سے پھر بذریعہ ہوائی جہاز لاہور آئے اور پھر لاہور سے بسوں کے ذریعے ہم ربوہ پہنچے۔ ہمارے پہنچنے سے پہلے انتخاب ہو چکا تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بیعت ہو چکی تھی تاہم جنازہ ابھی نہیں ہوا تھا۔ جنازے میں ہم شامل ہو گئے اور جنازہ جب لے جایا گیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ آگے آگے تھے اور اُن کے ساتھ حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ تھے۔ جنازہ کندھوں پر ہی اُٹھا کر بہشتی مقبرہ لے جایا گیا اور حضورؒ نے وہاں پر ہی جنازہ پڑھایا اور پھر تدفین ہوئی۔

وہ ایک عجیب منظر تھا کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا دَور تو ایک بہت ہی ٹاپ کی لیڈرشپ تھی اور ذہن اُس کا متبادل سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ حضورؓ کی وفات بہت بڑا صدمہ تھا لیکن بعد میں بعض لوگوں نے یہ تذکرہ بھی کیا ہے کہ شاید حضورؓ کی لمبی بیماری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت کے لیے اللہ تعالیٰ جماعت کو تیار کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال پھر ہم نے ایک شان دیکھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بھی۔ خاص طور پر یہ جو اسمبلی کی کارروائی تھی اور اس میں حضورؒ نے جس طرح جماعت کے نقطہ نظر کو پیش کیا اور دفاع کیا۔ پس خلافت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان ہے۔ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ کچھ کام کرنے کا موقع ایسا بھی ملا کہ ابھی حضورؒ کی خلافت سے پہلے کی بات ہے۔ جب فسادات ہوئے 1953ء کے اور مارشل لاء لگا تو امیر جماعت لاہور شیخ بشیر احمد صاحب کی کوٹھی پر حملہ کیا گیا۔ وہاں ڈیوٹی پر ہمارے کچھ خدام تھے۔ شیخ صاحب ماشاءاللہ بڑے ٹاپ کے وکیل بھی تھے اور انہوں نے خدام کو کہہ رکھا تھا کہ جب تک میں نہ کہوں آپ نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کرنی۔ باہر جلوس آیا بہت نعرے لگتے رہے پتھراؤ بھی کرتے رہے۔ شیخ صاحب نے کہا کہ جب تک وہ گیٹ توڑ کر اندر نہیں آتے آپ نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کرنی۔ پھر وہ سٹیج آئی جب انہوں نے گیٹ توڑا اور ہجوم اندر گھسا تو اُس وقت پھر اندر سے لڑکوں نے فائر کیا اور اس میں کچھ نقصان بھی ہوا اُن کا۔ خیر وہ ہجوم تو منتشر ہو گیا لیکن ہمارے امیر صاحب گرفتار ہو کر جیل چلے گئے۔ اُن کی گرفتاری کے بعد پھر حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے کچھ کام ذمہ لگائے۔ مثلاً سب سے بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ انٹیلی جنس رپورٹ شیئر کریں۔ آپ نے فرمایا کہ مختلف علاقوں میں اپنے لڑکوں کو بھیجیں اور یہ معلوم کریں کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، عام لوگوں کی عمومی رائے کیا ہے، مولویوں کا کیا کہنا ہے یا دوسرا کوئی بھی طبقہ ہے وہ احمدیوں یا مارشل لاء کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ تو ہم یہ معلومات اکٹھی کرتے اور میں ہر دوسرے دن اس کی چھوٹی سی مختصر رپورٹ لکھ کر حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو رتن باغ میں پیش کر دیتا تھا۔

جس دن حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ اور حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ گرفتار ہوئے اُس دن عین مغرب کے وقت ایک نوجوان نے موٹر سائیکل پر ہمارے ہاسٹل میں آ کر بڑی گھبراہٹ میں صرف اتنا کہا کہ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ گرفتار ہو گئے ہیں اور آپ کی تلاشی ہونی ہے۔ یہ کہہ کر وہ فوراً چلا گیا کیونکہ عین مغرب کے وقت کرفیو لگ جایا کرتا تھا۔ یہ ایسا گھبراہٹ کا عالم تھا کہ کچھ وقت کے لیے ہم سکتے میں آ گئے۔ خیر ہم جو احمدی لڑکے وہاں تھے مشورہ کرنے لگے اور کافی دیر گزرنے کے بعد خیال آیا کہ اب یہ دیکھ لیں کہ ہم میں سے کسی کے پاس کوئی قابل اعتراض چیز تو نہیں ہے۔

ہمارا جن غیر احمدیوں سے دوستی کا گہرا تعلق تھا اُن میں ایک پٹھان لڑکا بھی تھا۔ فسادات شروع ہوئے اور بعض احمدی دوست شہید ہوئے تھے۔ ایک شہادت کا واقعہ بڑا ہی دردناک تھا ایک سکول ٹیچر تھے اُن کو باغبان پورہ میں پکڑ کر جلتے تندور میں ڈالا گیا تھا۔ بہت ہی دردناک واقعہ تھا۔ اُس وقت میرے دوست ہمدردی سے میرے پاس آئے۔ اُن میں سردار عبدالرب نشتر کا بیٹا اجمل نشتر بھی تھا۔ یہ سب بہت اصرار کرنے لگے کہ خطرہ ٹلنے تک ہوسٹل سے چلے جاؤ۔ آخر مجھے کہنا پڑا کہ ہمارے امام کا حکم ہے کہ اپنے مقام کو نہیں چھوڑنا اس لیے کچھ بھی ہو جائے ہم نے کہیں نہیں جانا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ لیکن پٹھان لڑکا کہنے لگا کہ اگر فرض کریں کہ کوئی شرارتاً آتا ہے تو تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ مَیں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ تو وہ پٹھان اپنے انداز میں بڑا غصے ہوا کہ بڑے بہادر بنے پھرتے ہو اور تمہارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ پھر جا کر اپنے کمرے سے ایک خنجر اُٹھا کر لے آیا۔ کہنے لگا کہ یہ تو رکھ لو اپنے پاس۔ خیر میں نے وہ لے کر اپنے بکسے میں رکھ لیا تو اُس کے دو دن یا تین دن بعد یہ تلاشی والی بات ہو گئی۔ تو یہ خیال ہوا کہ ہمارے پاس تو ایک خنجر ہے لیکن چونکہ اُس وقت کرفیو لگ چکا تھا ہم اُس کو کہیں باہر نہیں لے جا سکتے تھے اور کسی اَور احمدی لڑکے کے کمرے میں بھیجنا وہ اتنا مناسب بھی نہیں تھا۔ بہرحال نماز سب میرے کمرے میں ہی پڑھتے تھے تو فجر کے وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ دیکھا تو ایک پولیس انسپکٹر صاحب تھے۔ ایک میجر صاحب تھے۔ خاصی تعداد میں اُن کے ساتھ پولیس کی نفری کی تھی۔ لیکن بڑی شرافت کے ساتھ وہ پیش آئے اور کہا کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ آپ کی تلاشی لیں۔ ہم نے کہا آ جائیں۔ خیر انہوں نے تلاشی لی۔ ایک سٹوڈنٹ کے پاس کیا ہوتا ہے؟ کچھ کتابیں، کچھ کپڑے۔ مختلف چیزیں انہوں نے دیکھیں اور بکس کھول کر اُس میں سے کپڑے اُٹھانے شروع کیے۔ اس میں سب سے نیچے وہ خنجر پڑا ہوا تھا اور اُس کا ایک کونہ دکھائی بھی دینے لگا۔ اُس کے اُوپر ایک آدھ کپڑا اَور پڑا ہوا تھا۔ سامنے میز پر جو لٹریچر پڑا تھا اُس میں ایک میمورنڈم تھا جو جماعت احمدیہ نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے شیخ بشیر احمد صاحب کے ذریعے پیش کیا تھا۔ میں نے اُن کو کہا کہ یہ آپ دیکھیں کہ یہ میمورنڈم ہے جو جماعت احمدیہ نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کیا اور ہمارے خلاف غلط پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان نے پاکستان کا کیس خراب کیا ہے۔ اس پر اُن کی توجہ اُدھر ہو گئی۔ میں نے وہ میمورنڈم اُٹھا کر اُن کو دیا تو بات چیت چل پڑی۔ مَیں نے کھول کر دکھایا کہ یہ ہم احمدیوں کا کیس ہے۔ اُس میں بڑا پیارا انداز تھا جو عظیم قیادت کی علامت تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سارے احتیاطی پہلو اختیار کیے تھے۔ ایک تو اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور قرآن کی رُو سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود کو مسلمان اور دوسرے کو غیر مسلم قرار دے۔ اس بحث کے بعد پھر حضرت صاحب نے فرمایا کہ اگر کوئی جماعت احمدیہ کو مسلمان نہیں بھی سمجھتے تو پھر گورداسپور ضلع میں آبادی کی اکثریت مسلمان نہیں رہتی۔ لیکن یہ اتنا نازک معاملہ ہے کہ ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ اگر ہمیں مسلمان نہیں بھی سمجھا جاتا تو بھی ہمارا ووٹ مسلم لیگ کے ساتھ ہے اور ہم پاکستان کے حق میں ووٹ دیتے ہیں۔ تو یہ بات باؤنڈری کمیشن کے سامنے بڑے زوردار طریق سے پیش کی گئی تھی۔ تو یہ میں نے اُن کو بتایا تو بڑے وہ حیران ہو گئے۔ کہنے لگے اچھا! یہ مولوی آپ کے خلاف اتنا جھوٹ بولتے ہیں۔ پھر اُن کا رویہ بالکل بدل گیا اور اُس وقت انہوں نے معذرت بھی چاہی اور کہا کہ ہم

آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ پھر مَیں کمرے سے باہر نکلا تو سب احمدی دوست بڑے حیران ہوئے۔ وہ سب یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ تو گرفتار ہو گیا۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو جیل میں ساری اطلاعات پہنچا کرتی تھیں۔ ہماری تلاشی اور اُس واقعہ کی بھی اطلاع اُن کو مل چکی تھی۔ تو جس دن حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ رہا ہو کر آئے تو مَیں رتن باغ میں حاضر ہوا تو ہنس پڑے اور بہت ہی پیارے انداز میں فرمایا: اچھا آپ کے پاس بھی وہی چیز تھی جو ہمارے پاس تھی تو آپ کو کیوں چھوڑ دیا انہوں نے؟ پھر کہنے لگے آپ کو یہ بات سمجھ آئی ہے کہ کیوں آپ بچ گئے؟ میں نے کہا نہیں سمجھ آئی۔ فرمایا: آپ کو دُعا کا موقع مل گیا تھا، آپ کو پتہ لگ گیا تھا کہ آپ کے پاس وہ خنجر ہے اور ایک رات آپ کو دُعا کرنے کا موقع مل گیا۔ کچھ بھی ہوا آپ نے کسی نہ کسی رنگ میں دُعا کی ہوگی۔ ہمارے پاس جو خنجر تھا اُس کو ہم خنجر سمجھتے ہی نہیں تھے وہ تو ایک ornament تھا اور جس وقت وہ اُن کے ہاتھ میں آ گیا تو اُس وقت ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے پاس یہ چیز ہے اس لیے ہمیں دُعا کا موقع نہیں ملا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے خلافت کے بعد پہلا دورہ جو سندھ کی زمینوں کا فرمایا، اس میں حیدر آباد تشریف لائے تھے اور ہم حضور کا استقبال کرنے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر گئے۔ حیدر آباد کے دوستوں میں سے صرف چند ایک کے پاس گاڑیاں تھیں، میرے پاس ایک پرانی گاڑی تھی لیکن دوسروں کے مقابلے میں نسبتاً اچھی تھی تو سب نے فیصلہ کیا کہ حضور میری گاڑی میں بیٹھیں گے۔ چنانچہ حضورؒ اور بیگم صاحبہ میری گاڑی میں بیٹھے۔ مَیں نے گاڑی ڈرائیو کی حالانکہ میں بہت اچھا ڈرائیور نہیں تھا۔ حضورؒ کے ٹھہرنے کا انتظام ہم نے ذیل پاک سیمنٹ فیکٹری کے گیسٹ ہاؤس میں کیا تھا۔ میں اس وقت وہاں ڈپٹی چیف انجینئر یا صرف سول انجینئر تھا، ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھا۔ وہاں ایک بریگیڈیئر صاحب جنرل مینیجر تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہمارے امام آ رہے ہیں میں چاہتا ہوں ان کو یہاں ٹھہرایا جائے۔ شریف آدمی تھا، جانتا بھی تھا کہ امام جماعت کا کیا مقام ہے، ایک اہم شخصیت ہیں۔ کہنے لگا ٹھیک ہے۔ میں نے کہا کہ ایک شرط ہے کہ گیسٹ ہاؤس میں کوئی اَور نہیں ٹھہرے گا اس دن۔ کہنے لگا بالکل ٹھیک ہے۔ چنانچہ اس نے باہتمام اس دن پورا گیسٹ ہاؤس ہمارے ڈسپوزل پر دے دیا۔ پھر جب مہمان آنے شروع ہوئے۔ کراچی سے، سندھ کی اسٹیٹس سے اور گیسٹ ہاؤس پورا بھر گیا۔ بہرحال حضورؒ نے وہاں کچھ دیر آرام کیا، ناشتہ کیا اور اس کے بعد اسٹیٹس کے سفر پر روانہ ہوئے اور ہم بھی حضور کو اسکارٹ کرتے ساتھ گئے۔ غالبًا ناصر آباد اسٹیٹ میں ہم نے حضور کو پہنچایا جہاں جماعت نے کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد حضور اندر تشریف لے گئے تو جو ساتھ گئے تھے، ہم نے رقعہ اندر بھیجا کہ اگر حضور کی اجازت ہو تو ہم واپس چلے جائیں۔ تو تھوڑی دیر کے بعد ہم کیا دیکھتے ہیں حضور خود ہی باہر تشریف لائے۔ تھوڑی دیر اس لیے ہوگئی تھی کہ حضور لیٹ گئے تھے۔ حضور اٹھے دوبارہ کپڑے بدلے یعنی شیروانی اور پگڑی دوبارہ پہنی اور پھر باہر تشریف لائے اور ہمیں اجازت دے دی۔

1974ء میں ہم اسلام آباد میں حضورؒ کی قیام گاہ پر آیا کرتے تھے۔ یہ کوٹھی جو ہمارے کرنل قاضی صاحب ہیں ان کے والد کی تھی اور نئی بنی تھی۔ قریب اَور کوٹھیاں کوئی نہیں تھیں۔ ایک اکیلی کوٹھی تھی جس کے اردگرد کافی جگہ خالی تھی۔ اس لحاظ سے مناسب تھی کہ خدام یا گورنمنٹ نے جو انتظام کیا تھا پولیس کا اسکارٹ کا، وہ وہاں خیمے وغیرہ لگائیں۔ حضورؒ بھی اس کھلے ماحول کو پسند کرتے تھے۔ تو ہم بھی شام کو وہاں جایا کرتے تھے، جب حضور باہر سے تشریف لاتے تو بعض اوقات تھوڑی دیر وہاں تشریف رکھتے، کوئی بات وغیرہ کر لیتے، بعض اوقات تھکے ہوئے ہوتے تو اُوپر تشریف لے جاتے۔ آخری دن جب حضور اسمبلی سے تشریف لائے اور کسی کے علم میں نہیں تھا کہ آج حضور کا کیا پروگرام ہے۔ حضورؒ نے آتے ہی فرمایا: سامان گاڑیوں میں رکھوائیں۔ اور آدھے پونے گھنٹے میں روانہ ہو گئے۔ وہ جو اس وقت حضور کے ساتھ ڈیوٹی پر پولیس کے سینئر سپرنٹنڈنٹ تھے، بڑے شریف لوگ تھے، وہ حضورؒ کی شخصیت سے بڑے متاثر تھے تو انہوں نے درخواست کی کہ حضور ایک گروپ فوٹو ہو جائے۔ حضورؒ نے فرمایا اچھا ٹھیک ہے لیکن میں اپنے کیمرے سے لوں گا، حضور اوپر تشریف لے گئے اور اپنا کیمرہ لے کر آئے اور پہلے حضور نے اپنا کیمرہ استعمال کیا۔ وہ خاصا Complicated قسم کا کیمرہ تھا۔ حضورؒ نے فرمایا میرے علم کے مطابق یہ کیمرہ اس وقت best کیمرہ ہے لیکن اس کو ہینڈل کرنے کے لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر اس کو صحیح طریق پر ہینڈل کیا جائے تو اس کا رزلٹ سو فیصد Correct ہوتا ہے۔ حضور نے کچھ تصویریں لیں اور غالبًا خدام میں سے کسی نے کہا تو اُن کے ساتھ بھی ان کا گروپ فوٹو ہوا۔

اصل میں وہ پروگرام بڑا ٹائٹ ہوتا تھا اور اگلے روز پھر جانا ہوتا تھا اس لیے حضور زیادہ وقت اگلے دن کی تیاری کرتے رہتے تھے۔ اور ہم لوگ بھی زیادہ اندر نہیں گھستے تھے۔ مولوی ابوالعطاء صاحب، مولوی دوست محمد شاہد صاحب اور حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ یہ سب حوالے تلاش کر رہے ہوتے تھے۔ بعض اوقات بعض کتابیں منگوانی پڑتی تھیں اور اس کے لیے بڑی بھاگ دوڑ کرنی پڑتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک آدھ کتاب کوئی ایسی تھی جو نہیں مل رہی تھی تو پشاور کی لائبریریوں سے بھی آدمی بھیج کر پتہ کروانا پڑا۔ بہت زیادہ وقت اس میں صرف ہوا کرتا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ایک بار بھوربن تشریف لائے تھے۔ یہاں Forrest والوں کا گیسٹ ہاؤس تھا۔ وہاں حضور کا قیام تھا۔ غالبًا ایک مہینے کا قیام تھا۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ میں بنوں میں تھا۔ وہاں سے مَیں آیا تھا اور مَیں نے فوکسی گاڑی خریدی تھی ماڈرن موٹرز سے۔ گاڑی لے کر سیدھا مَیں بھوربن چلا گیا۔ چوہدری احمد جان صاحب سے راستے میں ذکر کیا تو وہ بھی ساتھ ہو گئے۔ وہاں پہنچے نماز کا وقت تھا۔ حضور تشریف لائے۔ ظہر کی نماز پڑھائی تو میں نے عرض کیا کہ حضور میں چند منٹ چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا بیٹھیں کھانا کھائیں۔ حضورؒ نے گھر جا کر اندر سے کھانا بھجوایا۔ سٹاف کے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر حضور نے بلا لیا ملاقات کے لئے۔ مَیں نے عرض کی کہ حضور میں نے گاڑی آج ہی لی ہے حضور سے دعا کروانی ہے۔ حضور اٹھے۔ وہاں سے گاڑی کافی دُور کھڑی تھی۔ تشریف لائے اور گاڑی کے پاس کھڑے ہو کر حضور نے ہاتھ اٹھا کر دعا کروائی۔ اور مجھے کہنے لگے کہ آپ آج ہی دو بکروں کا صدقہ کر دیں۔ وہ تو جا کر میں نے کر دیے۔ وہ گاڑی اس کے بعد میرے پاس کوئی 11 سال رہی اور ہم اس پر اکثر ربوہ جلسہ سالانہ جایا کرتے تھے مگر اس میں کبھی کوئی خرابی نہیں ہوئی۔ جب ہماری ضرورت کے لیے وہ کم پڑ گئی تو ہم نے اس کو کافی منافع پر بیچا۔

جب ربوہ میں جلسہ سالانہ شروع ہوا۔ غالبًا یہ دوسرے جلسے کا موقع تھا۔ مَیں انجینئرنگ کالج میں تھا۔ ہماری بھی ڈیوٹیاں لگی تھیں۔ حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ ناظم استقبال تھے اور مجھے نائب ناظم بنایا گیا۔ پھر وہ تین چار پانچ دن جلسے کے جو

تھے ہمیں ان کے بہت ہی قریب رہنے کا موقع ملا۔ رات بھی ہم کسی ٹینٹ میں اکٹھے ہوتے تھے اور بڑی ہی پیاری مجلس ہوتی تھی۔ اس وقت جو ایک تاثر تھا ہمارا وہ یہ تھا کہ میاں صاحب بہت ہی دلچسپ شخصیت ہیں۔ ان کے ساتھ آدمی بور نہیں ہوتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ لوگ آتے رہے پورا دن۔ رات بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ بہت کم سونے کا موقع ملا۔ پھر جب جلسہ ختم ہوا اور لوگ رخصت ہونے لگے تو ریلوے اسٹیشن پر خاصا رش ہو گیا تو میاں صاحب نے مائیک لیا اور ہدایت دینے لگے کہ اطمینان سے سوار ہوں۔ اُس وقت تک گاڑی نہیں چلے گی جب تک سب دوست بیٹھ نہ جائیں اور سارا سامان لوڈ نہ ہو جائے۔ جب دوست سوار ہو گئے اُس وقت حضرت میاں صاحب نے کچھ یوں الوداعی الفاظ کہے: اب ہم مسیح موعودؑ کے مہمانوں کو خدا حافظ کہتے ہیں۔ لیکن یہ فقرہ کہتے ہی آپ رو پڑے۔ اور آگے بات نہیں کہہ سکے اور مائیک مجھے پکڑا دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس وقت سے ہی اُن کے وجود میں جماعت کے لیے جو محبت اور پیار تھا وہ کتنا شدید تھا۔

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب جب خلیفہ بنے اس وقت میری پوسٹنگ کوہاٹ میں تھی جہاں اسٹیٹ سیمنٹ کا ایک پلانٹ لگ رہا تھا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اسلام آباد میں بیمار تھے تو مجھے کسی کام سے گورنمنٹ نے رومانیہ بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ مَیں نے اسلام آباد کی بیت الفضل میں نماز پڑھی۔ جیسے ہی باہر نکلا تو حضرت مرزا طاہر احمد صاحب بھی باہر نکل آئے اور بہت ہی شفقت سے میرا ہاتھ پکڑ کر حضور کی بیماری کے حالات بتانے لگے۔ جب پتہ لگا کہ میں رومانیہ جا رہا ہوں تو کہنے لگے کہ رومانیہ میں ایک عرصہ تک ترکوں کی حکومت رہی ہے وہاں کچھ نہ کچھ مسلمانوں کے نشانات ہوں گے۔ تو آپ وہاں پر اس بات کا جائزہ لیں کہ وہاں کچھ امکان ہے ہمارا لٹریچر پہنچنے کا، کسی مبلغ کو بھیجنے کا۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ یہ کہہ کر میں لاہور چلا گیا اور اگلی صبح خبر ملی کہ حضورؒ فوت ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میں فوراً ربوہ گیا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی بیعت کی اور اگلے دن پھر میں سفر پر روانہ ہو گیا۔ رومانیہ پہنچ کر حضورؒ کے حکم کے مطابق جتنی بھی کوشش سے پتہ لگا سکا پرانی مساجد میں گیا اور میری کوشش تھی کہ میری ان لوگوں سے ملاقات ہو۔ اس وقت کیونکہ وہاں کمیونسٹ نظام تھا چاؤشیسکو کا دور تھا اور بڑی سختی تھی۔ پہلے تو جب ہم جاتے کسی مسجد میں تو دروازہ بند ہوتا اور اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ مَیں دروازے کے قریب کھڑا ہو کر انہیں السلام علیکم کہتا تھا، اس سے انہیں پتہ چل جاتا تھا یہ مسلمان ہے تو جو بھی ڈیوٹی پر ہوتا تھا بعض خواتین ہوتی تھیں جو دروازہ کھولتی تھیں۔ پھر میں مولوی صاحب کا پوچھتا تھا ملاقات کے لیے۔ بہت کم ایسے ہوتے تھے جن کو انگریزی آتی تھی لیکن میرے ساتھ کچھ Interpreter ہوتے تھے وہ کام کرتے تھے تو صورتحال یہ تھی کہ ان کے پاس قرآن کریم تھا لیکن اس کا ترجمہ کوئی نہیں تھا۔ رومانین زبان میں بھی ترجمہ نہیں تھا صرف عربی متن تھا اور وہ کہتے تھے کہ ترجمہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اور کوئی باہر سے لٹریچر نہیں منگوا سکتے اور صرف ہم بعض آیات اور احادیث سنا کر اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ مسلمان ترکوں میں سے آئے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق تاثر یہ تھا کہ وہ مسلمان تو ہیں اور سور نہیں کھاتے لیکن شراب کے متعلق احتیاط نہیں کرتے اور ان کا خیال یہ تھا کہ شاید اسلام میں شراب جائز بھی ہے۔ بلکہ اس پر ایک دفعہ میری بحث بھی ہوئی۔ یہاں پر اُن کے ایک سفیر تھے۔ انہوں نے کھانے پر بلایا اور میز پر وائن رکھی۔ ہم نے کہا کہ ہم تو یہ نہیں پیتے۔ کہنے لگے کہ ہمارے ملک میں تو بہت سے مسلمان وائن پیتے ہیں۔ بہرحال رومانیہ سے واپس آ کر میں نے حضورؒ کو سارے حالات عرض کئے تو حضورؒ کو تھوڑی سی مایوسی ہوئی کہ اس ملک میں اتنی پابندیاں ہیں کہ لٹریچر بھی نہیں جا سکتا۔ پھر چاؤشیسکو کے بعد اللہ تعالیٰ نے حالات بدل دیے، رستے کھل گئے۔ ہمارے مبلغ پہنچے اور کافی رومانین لوگ ہجرت کر کے جرمنی آئے اور بیعتیں بھی ہوئیں۔ اب رومانیہ کے احمدیوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

جب میں حیدر آباد گیا تو وہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دور میں ایک دن مجھے ایک چٹھی ملی کہ حضورؒ نے مجھے قاضی مقرر کیا ہے۔ پہلے قاضی شہر پھر قاضی ضلع۔ اس وقت میری عمر بھی زیادہ نہیں تھی۔ حیدر آباد کی بڑی بڑی جماعتیں ہیں، خاص طور پر یہ جو ہماری اسٹیٹس ہیں، ان کے مقدمے بھی ہوتے تھے۔ لیکن بہرحال اللہ نے فضل کیا۔ اس کے بعد پھر مجھے قائد ضلع خدام الاحمدیہ حیدر آباد کی حیثیت سے صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب کے وقت میں کام کرنے کا موقع ملا۔ جب حضرت مرزا طاہر احمد صاحب صدر خدام الاحمدیہ بنے، پھر مجھے قائد علاقہ کے طور پر مقرر کیا گیا۔ پھر میں کوہاٹ بنوں میں رہا وہاں میری کوئی خاص ذمہ داری نہ تھی۔

راولپنڈی میں ہم 1974ء میں آئے۔ پنڈی آنے کا واقعہ ایمان افروز بھی ہے۔ مَیں بنوں میں شوگر مل کا جنرل مینیجر تھا اور علاقے میں وسیع تعلقات تھے۔ چھوٹے زمینداروں اور کاشتکاروں کو چونکہ مَیں ہی Payments کرتا تھا، وہ جاہل لوگ سمجھتے تھے کہ یہ مالک ہے اور اپنی جیب سے پیسے دے رہا ہے۔ تو ایک منصوبہ یہ بنایا کہ اس کو اغوا کیا جائے، بڑے پیسے ملیں گے۔ لیکن اس کی اطلاع ہمیں مل گئی۔ جب 74ء کے فسادات شروع ہوئے تو بنوں مولویوں کا گڑھ بن گیا۔ خاصے جلسے جلوس ہوتے رہے۔ ایک مولوی صاحب بڑے Active تھے۔ وہ ہمارے خلاف تقریریں بھی کرتے تھے تاہم بدزبان نہیں تھے۔ اور عموماً رات 11 بجے کے بعد مجھے فون کرتے تھے اور کہتے کہ جی کوئی خدمت ہے تو مجھے بتائیں، ہم آپ کی ہر خدمت کرنے کو تیار ہیں۔ یعنی کسی حفاظت کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔ تو مَیں بھی اس کو کہتا کہ مولوی تم اپنا کام کئے جاؤ، ہمارا اللہ محافظ ہے۔

وہاں پر احمدی تو چند ایک تھے۔ حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہید کے صاحبزادگان سرائے نورنگ میں رہتے تھے۔ ان کی اپنی زمینیں تھیں اور ان کا خاصا وسیع کام تھا کئی ملازم تھے زمینداری تھی۔ ایک ہماری شوگر مل تھی۔ ایک دن مجھے ڈپٹی کمشنر کا رات دیر گئے فون آیا اور کہنے لگے کہ ہمیں انٹیلی جینس رپورٹ ملی ہے کہ آج یہاں کی بڑی مسجدوں میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ کل تین چار بسیں بھر کر مختلف علاقوں سے آپ کے پاس لائیں گے اور آ کر آپ کو مسلمان بنائیں گے تو مَیں ہنس پڑا۔ مَیں نے کہا جی ہم تو کلمہ پڑھ لیں گے، کلمہ ہم پڑھتے ہیں۔ تو اس نے کہا نہیں بات یہ نہیں ہے۔ ہمیں پتہ ہے کہ اس کی بیک گراؤنڈ میں کوئی شرارت ہے، ان کے ارادے کچھ اور ہیں ...... اس پر مَیں نے کہا جی بات یہ ہے کہ Law and order is your headache اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے ایمان کی حفاظت کی توفیق ہمیں خدا دے گا۔ تو وہ بات سمجھ گیا اور کہنے لگا We are fully prepared، آپ اگر باہر نکل کر دیکھیں تو میں نے پہلے ہی کافی تعداد میں پولیس سکواڈ بھجوا دیے ہیں جو کہ آپ کے گھر کے باہر موجود ہیں۔ لیکن میری ایک درخواست ہے کہ ایک بدمزگی کو اور کسی bad incident کو avoid کرنے کے لیے اگر آپ آج رات بچوں کو لے کر نکل جائیں، ایک دو ہفتے کے لیے مری چلے جائیں تو بات ٹھنڈی ہو جائے گی، پھر واپس آ جانا۔ میں نے کہا دیکھیں بات یہ

ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کو بھی ہجرت کرنی پڑی تھی اور ایسے ہی حالات میں کرنی پڑی تھی، تو اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے کوئی مدد مل سکتی ہے law and order میں تو ہم اس کو Matter of Prestige نہیں بنائیں گے۔ اس پر اُسے تسلی ہوئی اور کہنے لگا کہ مَیں ابھی سکواڈ بھجوا رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک پوری بس Scouts کی بھجوا دی اور میں اپنی فیکٹری کے کچھ بندوں کو ایک گاڑی میں لے آیا، ایک گاڑی میری ذاتی تھی۔ چنانچہ دو سکواڈ کی گاڑیاں اور دو ہماری گاڑیاں رات دو اڑھائی بجے خاموشی سے نکل آئے۔ میرے والدین اور فیملی ساتھ تھی۔ بچوں کے چند کپڑوں کے علاوہ کوئی سامان ہم نے گھر کا نہیں لیا۔ خیال یہی تھا کہ شاید چند دن کے لیے جا رہے ہیں۔ اس خیال میں ہم روانہ ہوئے۔ میانوالی پہنچے تو ہم نے سکواڈ واپس کر دی کیونکہ آگے لوگ ہمیں نہیں جانتے تھے۔ وہاں ریت کے ٹیلے پر بیٹھ کر ہم نے یہ مشورہ کیا کہ اب جائیں کہاں؟ میں نے مشورہ دیا کہ پنڈی چلتے ہیں جہاں کمپنی کا ایک گیسٹ ہاؤس تھا۔ ہماری امی نے کہا نہیں، بات یہ ہے کہ ہمیں کچھ اندازہ نہیں ہے کہ کتنا ٹھہرنا پڑے گا اس لیے ہم اپنے گاؤں چلتے ہیں۔ ہمارا اٹک کے پاس چھوٹا سا گاؤں ہے تو خیر ہم وہاں چلے گئے۔ وہ اتنا چھوٹا گاؤں ہے کہ نہ وہاں ان دنوں بجلی تھی نہ کوئی پانی کا انتظام تھا۔

اگلے دن مَیں نے اپنے آفس میں رپورٹ دے دی تو اُس وقت جو چیئرمین تھا اُس نے سخت مخالفت کی اور مجھے ٹیلی گرام بھیجا کہ تم نے غلط کام کیا ہے جو بغیر اجازت ہیڈ کوارٹر چھوڑا ہے، فوراً واپس جاؤ۔ ہمارے ایک ڈائریکٹر مسٹر خلجی تھے وہ اَڑ گئے اور کہا کہ وہ وہاں محفوظ تصور نہیں کرتا تو کیوں واپس جائے۔ میں نے چیئرمین کو بتایا کہ میں اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوں، وہاں کی لوکل ایڈمنسٹریشن نے کہا ہے اس لیے آپ اُن سے بات کریں۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ واپس آجائے تو مَیں تیار ہوں۔ اس پر اُس نے کمشنر سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ ابھی واپس نہیں آنا، ابھی یہاں حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ تو بہرحال میں پھر وہیں کچھ عرصہ رہا۔

اس کے بعد چیئرمین نے کسی نہ کسی طرح مجھے پھانسنے کی بڑی کوشش کی۔ یہاں تک ایک بورڈ میٹنگ میں اُس نے کہہ دیا کہ دیکھیں یہ قادیانی تو ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تو جو ہمارا ڈائریکٹر تھا اُس نے کہا: قادیانی ہے تو ہماری انجینئرنگ کے ساتھ کیا واسطہ۔ یہ اپنا کام بہت اچھے طریق سے کر رہا ہے۔ تو وہ کہنے لگا: اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی قادیانیوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آج تک تو نہیں تھا لیکن آج سے میں بھی قادیانی ہوں، ٹھیک ہے۔ اور جو تم نے کرنا ہے کر لو۔ اور اس کے بعد دونوں کی آپس میں بڑی سخت چپقلش رہی، یہاں تک کہ گالم گلوچ بھی ہوتی رہی۔ خیر تھوڑے عرصے کے بعد ہمارے ادارے PIDC کی انتظامیہ کی تقسیم ہوئی اور اُس کی دو علیحدہ کارپوریشنیں بن گئیں۔ ایک نئی "منرل ڈویلپمنٹ کارپوریشن" بن گئی اور اُس کے چیئرمین وہی ڈائریکٹر یعنی مسٹر خلجی بن گئے۔ اُن کی پہلی ڈیمانڈ یہ تھی کہ سٹاف کی جو تقسیم ہوگی اُس میں پہلا آدمی فضل الرحمٰن ہوگا جو میرے ساتھ ہوگا۔ بہرحال چند دنوں میں آرڈر ہوگئے۔ لیکن ایمان افروز بات یہ ہے کہ اُس چیئرمین کا حشر یہ ہوا کہ وہ ملازمت سے معزول کر دیا گیا۔ اُس پر مارشل لاء کے دَور میں کیس بنا اور انتہائی ذلّت سے اُس کو جانا پڑا۔ جس دفتر میں وہ چیئرمین تھا اُس دفتر میں مارشل لاء کے دوران ایک کرنل صاحب آکر بیٹھتے تھے۔ اور جو اس کے ہی سیکرٹری کا دفتر تھا وہاں چھ چھ آٹھ آٹھ گھنٹے آکر وہ انتظار کرتا تھا، کبھی بلاتے کبھی نہیں بلاتے۔ پس یہ جو خداوند تعالیٰ کی غیرت ہے اپنے مامور کے لیے وہ بڑی زبردست ہے۔

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب جب ناظر اعلیٰ تھے تو میں اُن کے پاس حاضر ہوتا تھا۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ آپ کی ناظر اعلیٰ کی حیثیت سے بڑی گہری نظر ہوتی تھی اور بڑے درست فیصلے ہوتے تھے۔ ہمارے مدعو کرنے پر حضور دو تین مرتبہ تشریف بھی لائے اور ایک بار ہمارے جلسہ کو بھی address کیا تھا۔ آپ کی طرف سے جب مجھے یہ احکام ملے کہ امارت کا چارج لے لیں تو میں بڑا پریشان ہوا۔ سچی بات یہ ہے کہ "it was a shock" تو پہلا کام میں نے یہ کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں میں نے فوری طور پر فیکس کیا کہ حضور میں کیسے کام کروں گا مجھے نہ تو کوئی تجربہ ہے اور دوسرا میں ویسے بڑا کمزور سا آدمی ہوں۔ اگلے دن حضورؒ کا بذریعہ فیکس جواب آیا کہ آپ کے متعلق جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ بہرحال درست ہے، آپ اللہ پر توکّل کر کے کام شروع کر دیں، میں دعا کروں گا اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ تو پھر دیکھیں وہ گاڑی چل رہی ہے ابھی تک۔ یہ خلافت کی برکتیں ہیں ورنہ سچی بات کہتا ہوں کہ میرے اندر کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ میں اس ذمہ داری کو اُٹھانے کے قابل ہوتا۔ پھر اگلے دن مَیں ربوہ گیا اور ناظر صاحب اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں پر بھی مَیں نے یہی کچھ کہا کہ مجھے تو تجربہ نہیں ہے۔ تو فرمانے لگے کہ یہ تو خلیفہ وقت کا فیصلہ ہے۔ مَیں نے کہا کہ وہ تو ٹھیک ہے، سر آنکھوں پر، جب حکم ہو گیا ہے تو کرنا تو پڑے گا ہی۔ فرمانے لگے کہ یہ فیصلہ آپ کے متعلق بڑا مشورہ کر کے کیا گیا ہے۔ چونکہ حضورؒ نے جب پوچھا کہ کس کو مقرر کریں تو جو مشورہ دیا گیا تو اُس میں نائب امراء کے نام تھے اور میں اُس وقت ایک غیر معروف شخص تھا۔ تو اس ملاقات میں ناظر صاحب اعلیٰ مجھے فرمانے لگے کہ حضور سے بات ہوئی ہے تو حضورؒ نے فرمایا کہ وہ قائد ضلع بھی رہا ہے، قائد علاقہ بھی رہا ہے اور وہ غالباً حضور کے ذہن میں اس لیے موجود تھا کہ حضورؒ خود صدر خدام الاحمدیہ تھے۔ دوروں پر بھی آئے تھے، ہمارے اجتماع میں بھی آئے تھے۔

پھر وہ نظارہ نہیں بھولتا جب خلافت کا انتخاب ہوا۔ نماز مغرب اور عشاء ادا کیں تو اتفاق کی بات ہے کہ پچھلی، آخری تین چار صفوں میں میرے ساتھ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب تھے۔ ظاہر ہے اس وقت تو سب کے دل ایسے تھے کہ اُدھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا جنازہ پڑا تھا اِدھر یہ پتہ تھا کہ اب چند گھنٹے کے بعد انتخاب ہونا ہے تو خلافت کے لیے دعائیں کر رہے تھے لیکن اس وقت کوئی نام ذہن میں نہیں تھا۔ تو غالباً پہلی رکعت کے سجدے میں گئے تو میں دعا کرنے لگا تو میری زبان پر آیا کہ اے اللہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کی حفاظت فرما۔ اس پر مجھے احساس ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ کی تقدیر یہی ہے۔ اور بہرحال وہ تقدیر پھر ظاہر ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد جب خلافت کا انتخاب ہوا تو حضور دورانِ انتخاب مکمل خاموشی سے سر نیچا کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انتخاب ہو چکا تو اس کے بعد بیعت ہوئی۔ پھر حضور نے شفقت فرمائی، معانقہ کیا اور دو تین دفعہ میرا نام لے کر مخاطب کیا۔ اس کے بعد بھی اللہ کے فضل سے مجھے ملاقاتوں کا موقع ملتا رہتا ہے لیکن اب وہ مقام بدل گیا ہے۔ اب وہ امام ہیں تو ان کے سامنے بات بھی نہیں نکلتی، کئی دفعہ مَیں جاتا ہوں، ذہن میں کچھ چیزیں ہوتی ہیں کہ یہ بھی کہوں گا مگر بات نہیں ہوتی۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عجیب نظام ہے خلافت کا، جس کو دنیا پہچان نہیں سکتی، سمجھ نہیں سکتی۔ یہ ایک عجیب روحانی نظام ہے۔

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے۔ ان شاء اللہ)

حضرت منشی امام الدین صاحبؓ پٹواری اور حضرت کریم بی بی صاحبہؓ

(انور رشید۔ سویڈن)

حضرت منشی امام الدین صاحبؓ ریٹائرڈ پٹواری ولد میاں حکم الدین صاحب کا آبائی مسکن قلعہ درشن سنگھ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور تھا جہاں آپ 1863ء میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں بٹالہ سے قریباً چار میل دُور گورداسپور جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ آپؓ نے ابتدائی تعلیم موضع دیال گڑھ ضلع گورداسپور میں پائی اور پرائمری کا امتحان پاس کرکے مزید تعلیم کے لیے گورداسپور بھجوائے گئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد محکمانہ امتحان پاس کرکے بطور پٹواری ملازم ہوگئے اور قریباً پینتیس سال تک بہت نیک نامی کے ساتھ یہ ملازمت کرنے کے بعد سبکدوش ہوئے۔

آپؓ نے 1888ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور 1894ء میں بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد 1926ء میں باقاعدہ ہجرت کرکے قادیان آگئے اور محلّہ دارالرحمت میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ کئی خاندان آپ کی تبلیغ سے احمدیت میں داخل ہوئے۔ تین جگہوں پر آپ کی کوششوں سے جماعتیں قائم ہوئیں۔ یعنی تلونڈی جھنگلاں، قلعہ گلانوالی، لوہ چپ۔ آپ کو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ خاص محبت تھی۔ حضرت اماں جانؓ، حضرت مصلح موعودؓ (خلیفہ ہونے سے قبل) اور دیگر افراد خاندان اقدس گاؤں میں آپ کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔

آپؓ کی بیان کردہ روایات رجسٹر روایات جلد 11 سے درج ذیل ہیں:

☆ حضرت منشی صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ مَیں نے 1894ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ شام کی نماز کا وقت تھا۔ اخویم منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی اور بھائی جمال الدین صاحب سیکھوانی مرحوم بھی میرے ساتھ تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد منشی صاحب موصوف نے میری طرف اشارہ کرکے عرض کیا: حضور ان کی بیعت لے لیں۔ حضورؑ نے فرمایا: اندر ہی آجائیں۔ جب مَیں بیت الفکر کے اندر گیا تو حضورؑ چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھ گئے اور مجھے چارپائی کے سرہانے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ پہلے تو مَیں جھجکا مگر حضورؑ نے بیعت لے لی۔ حضورؑ کا یہ برتاؤ دیکھ کر مَیں حیران رہ گیا کہ کہاں وہ پیر جن کے برابر کوئی بیٹھ نہیں سکتا اور کہاں یہ پیر جسے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود بنا کر بھیجا، اپنے ناچیز خادم کو چارپائی کے سرہانے بٹھاتا ہے اور خود پائنتی پر بیٹھتا ہے۔

☆ ایک دفعہ فجر کی نماز کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے اور بعض احباب بھی حلقہ نشین تھے۔ اُس وقت میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت اقدسؑ کا دعویٰ تو مسیح موعود ہونے کا ہے، مگر مہدی جو اس زمانہ میں آنا تھا کیا وہ کوئی علیحدہ شخص ہوگا؟ اسی وقت حضور علیہ السلام نے تقریر شروع فرمادی اور بیان فرمایا کہ مَیں مسلمانوں کے لیے مہدی یعنی آنحضرت ﷺ کا بروز ہوں اور عیسائیوں کے لیے مسیح موعود یعنی حضرت مسیح ناصریؑ کا مثیل بن کر آیا ہوں۔ حضورؑ نے لمبی تقریر فرمائی جس سے میری پوری تسلی ہوگئی۔ اسی طرح اکثر دیکھا ہے کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض پیدا ہوتا تو حضورؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا علم دیا جاتا تھا اور حضور علیہ السلام اسے بذریعہ تقریر رد فرمادیا کرتے تھے۔

خاکسار (حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) عرض کرتا ہے کہ انبیاء کو علمِ غیب نہیں ہوتا۔ پس ایسی روایتوں کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مامورین سے اصلاح کا کام لینا ہوتا ہے اس لیے اُنہیں بسا اوقات دوسروں کے خیالات کا علم دیا جاتا ہے یا بغیر علم دینے کے ویسے ہی اُن کی زبان کو ایسے راستہ پر چلا دیا جاتا ہے جو سامعین کے شکوک کے ازالہ کا باعث ہوتا ہے۔

☆ حضرت منشی صاحبؓ حضرت چوہدری ظہور احمد صاحب سابق ناظر دیوان کے والد ماجد تھے۔ آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے چند ماہ پہلے جب میرے لڑکے عزیز ظہور احمد کی پیدائش ہوئی تو مَیں موضع لوہ چپ سے، جہاں مَیں ملازمت کے سلسلہ میں رہتا تھا، قادیان آیا تاکہ بچہ کا نام رکھاؤں۔ نماز کے بعد حضرت اقدس جلد ہی اندر تشریف لے گئے۔ مَیں نے شیخ حامد علی صاحب مرحوم سے کہا کہ مَیں اس غرض سے آیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا مَیں ابھی حضور کو اطلاع کرتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے حضور کو اطلاع کردی۔ اس اثناء میں مَیں نے دل میں خیال کیا کہ حضرت اقدسؑ عام طور پر باپ کے نام پر بچہ کا نام رکھتے ہیں، کیا ہی اچھا ہو کہ حضور اس بچہ کا نام میرے بڑے لڑکے نثار احمد کے نام پر تجویز فرماویں۔ مَیں اس خیال میں تھا اور اس کا ذکر دوستوں سے بھی کیا مگر انہوں نے بھی یہی کہا کہ حضور باپ کے نام پر لڑکے کا نام رکھتے ہیں۔ حافظ حامد علی صاحب نے حضور کو اطلاع دی۔ حضور مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور مجھے لڑکے کی

مبارکباد دی۔ مَیں نے پانچ روپے بطور نذرانہ پیش کیے۔ حضور نے فرمایا بچہ کا نام ظہور احمد رکھیں۔ مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی اور خیال کیا کہ کس طرح اہل اللہ کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے صاف بنایا ہے کہ لوگوں کے دلوں کے خیالات ان پر ظاہر ہوجاتے ہیں۔

☆ ایک دفعہ کا ذکر ہے جب مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین نے مسجد مبارک کے نیچے دیوار کھینچ کر راستہ بند کر دیا تو احمدیوں کو اس سے بہت تکلیف پیدا ہوگئی۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عدالت میں چارہ جوئی کا ارشاد فرمایا۔ اس موقع پر مجھے اور اخویم منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی کو بھی ارشاد فرمایا کہ تم اپنے حلقوں میں سے ایسے ذی عزت لوگوں کی شہادتیں دلواؤ جو دیوار کے گزرنے سے پہلے اس راستہ سے گزرتے ہوں۔ چنانچہ مَیں اپنے حلقہ سے فقیر نمبردار لوہ چپ کو قادیان لایا کیونکہ یہاں ہی جیبوری آئی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے شہادت دی کہ بندوبست کے دنوں میں ہم یہاں آتے رہے ہیں اور اس راستہ سے گزرتے رہے ہیں، بعض دفعہ گھوڑوں پر سوار ہوا کرتے تھے۔ مرزا نظام الدین نے اس سے شہادت سے پہلے دریافت کیا کہ تم شہادت کے لیے آئے ہو؟ فقیر نمبردار نے جواب دیا ہاں۔ اس پر مرزا نظام الدین نے اس سے سخت کلامی کی جس کے جواب میں فقیر نے کہا کہ مرزا صاحب! اگر آپ مجھے گالیاں دیں گے تو جب آپ ہمارے علاقہ میں شکار کے لیے نکلیں گے تو ہم اس سے بھی زیادہ سختی آپ سے کریں گے۔ اس پر وہ خاموش ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد مرزا نظام الدین جو کہ میرے پہلے سے واقف تھے، بوجہ ناراضگی ایک سال تک نہ بولے۔ ایک سال کے بعد مَیں اتفاقاً گورداسپور گیا ہوا تھا اور عدالت کے باہر ایک عرضی نویس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں مرزا نظام الدین بھی آگئے اور کہنے لگے: منشی صاحب آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں اور بولتے کیوں نہیں؟ مَیں نے کہا: مَیں آپ کے ساتھ اگر بات کروں اور آپ ہمارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں سخت کلامی کریں تو مجھے تکلیف ہوگی۔ کہنے لگے مَیں ان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ ان کی وجہ سے مجھے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ مَیں نے اپنے باغ کی لکڑی ہزاروں روپے میں فروخت کی ہے اور اب سبزی سے ہزاروں روپے کی آمد ہوتی ہے۔ ان کے یہ بھی الفاظ تھے کہ اب مجھے ولایت کی طرح آمد ہوتی ہے۔ مَیں نے کہا اگر آپ حضرت مسیح موعودؑ کو بزرگ سمجھیں تو کب ناراضگی ہوسکتی ہے!

☆ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ایک مقدمہ زیر دفعہ 107 چلایا گیا۔ اس کی پیشی دھاریوال میں D.C کی عدالت میں تھی۔ حضورؑ کا قیام کھنڈا متصل دھاریوال میں تھا جہاں نمبردار نی ایشور کور کی درخواست پر حضور ان کے ہاں مہمان تھے۔ مَیں وہاں پہنچا تو حضورؑ نے فرمایا: میاں امام الدین! آپ آگئے، اچھا کھانا کھالیں۔ مَیں نے عرض کی حضور مَیں روزہ سے ہوں۔ حضورؑ نے ارشاد فرمایا: سفر میں روزہ جائز نہیں، روزہ کھول دیں۔ چنانچہ مَیں نے اسی وقت روزہ کھول دیا۔

☆ اس مقدمے کی پیشی کے بعد جب حضورؑ واپس قادیان تشریف لانے لگے تو حضورؑ نے سیٹھ عبدالرحمٰن صاحبؓ مدراسی کو ارشاد فرمایا کہ آپ پالکی میں سوار ہوجائیں۔ انہوں نے عرض کی: حضور! مَیں یکہ میں جاؤں گا، حضور پالکی میں تشریف لے جائیں۔ اس پر دوبارہ حضورؑ نے فرمایا: سیٹھ صاحب! آپ کو تکلیف ہوگی، آپ پالکی میں سوار ہوجائیں مگر سیٹھ صاحب نے پھر وہی جواب دیا۔ حضورؑ کے تیسری بار ارشاد فرمانے پر سیٹھ صاحب نے پھر عرض کی کہ حضور مجھے بالکل تکلیف نہ ہوگی، حضور ہی پالکی میں تشریف لے جائیں۔ حضورؑ پالکی میں سوار ہوگئے۔ مَیں حضورؑ کی پالکی کے ہمراہ تھا اور حضورؑ سے گفتگو کا شرف حاصل کر رہا تھا۔ مَیں نے عرض کی حضور! میاں محمد بخش تھانیدار (جس کے ایما اور رپورٹ پر مقدمہ چلا تھا) کہتا ہے کہ مرزا اب میرا ہاتھ دیکھے گا۔ حضورؑ نے فرمایا: امام الدین! اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جبکہ مجھے حضور کی اس گفتگو کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ موضع بھاگی ننگل میں ایک احمدی دوست کے ہاں چوری ہوگئی وہ میرے پاس آئے تا کہ پولیس کی معرفت چوری کا سراغ لگایا جائے۔ چنانچہ مَیں وڈالہ گرنتھیاں جہاں محمد بخش تھانیدار آیا ہوا تھا، گیا۔ وہاں مَیں نے دیکھا کہ چند آدمی لوہا گرم کر کر کے پانی میں ٹھنڈا کر رہے ہیں۔ مَیں نے دریافت کیا کہ یہ کیا کیا جا رہا ہے؟ محمد بخش صاحب نے جواب دیا کہ منشی صاحب میرے ہاتھ میں سخت درد ہو رہا ہے گو بظاہر زخم وغیرہ کوئی نہیں، کسی نے کہا ہے کہ اگر ایسا پانی پیو گے تو آرام آجائے گا۔ ان کی یہ تکلیف اس قدر بڑھی کہ ان کو موت تک لے گئی۔ یہ واقعہ مَیں نے ان کے فرزند ارجمند سے، جو خدا کے فضل سے مخلص احمدی ہیں اور جن کو حضرت مسیح موعودؑ کا صحابی ہونے کا فخر حاصل ہے، بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب ان کے والد کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ ان کا ہاتھ کٹوا دیا جائے۔ مگر مَیں نے اس کی مخالفت کی۔ اگر مجھے اس بات کا علم ہوتا تو مَیں ضرور ان کا ہاتھ کٹوا دیتا اور شاید وہ اس صورت میں بچ بھی جاتے۔

☆ مجھے بیعت کیے ہوئے تقریباً ایک سال ہی ہوا تھا کہ اخویم منشی عبدالعزیز صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے کسی نے کہا کہ محکمہ پولیس اور محکمہ مال کے تمام ملازمین بہت برے ہوتے ہیں، یعنی پبلک کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔ حضورؑ نے فرمایا: ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ سارے کے سارے نہ ملازمینِ پولیس ایسے ہوتے ہیں نہ ملازمینِ مال۔ آخر میاں عبدالعزیز، میاں امام الدین اور میاں محمد الدین بھی محکمہ مال میں ہیں اور چوہدری رستم علی اور ایک اور دوست کا نام لیا، وہ محکمہ پولیس میں ہیں۔

☆ ایک دفعہ مَیں نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں ایک بکرا چوکیدار کو دیکر بھیجا۔ اُس نے لاکر خادم کے سپرد کر دیا اور وہ حضرت اقدس کے پاس لے گیا۔ چوکیدار خادم کے حوالہ کر کے بازار میں آبیٹھا۔ حضرت صاحب کے حضور جب بکرا پہنچایا گیا تو حضورؑ نے دریافت فرمایا: کون شخص لایا ہے اور کس کی طرف سے؟ خادم نے کہا: لانے والا شخص تو جا چکا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا: اسے تلاش کرو۔ خادم تلاش کر کے چوکیدار کو حضرت صاحب کے پاس لے گیا۔ حضرت صاحب نے دریافت فرمایا تو چوکیدار نے کہا لوہ چپ کے پٹواری صاحب نے بکرا بھیجا ہے۔ حضورؑ نے یہ معلوم کر کے فرمایا: ہاں ہم انہیں خوب جانتے ہیں، بکرا رکھ لیا جائے۔

☆ مَیں عموماً گھر میں ایک دو بھینسیں ضرور رکھا کرتا تھا اور جب وہ دودھ دینا شروع کرتی تھیں تو پہلے چند دنوں کا گھی جمع کر کے برکت کے لیے قادیان لاکر حضورؑ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ زلزلہ کے دنوں میں، جب حضورؑ

باغ میں تشریف رکھتے تھے، مَیں گھی لے کر آیا۔ حضورؑ نے دریافت فرمایا: کون لایا ہے؟ عرض کیا گیا منشی امام الدین لائے ہیں۔ حضورؑ نے فرمایا ہم انہیں خوب جانتے ہیں۔ گھی ایک مٹی کے برتن میں تھا۔ حضرت امّ المومنین نے کہلا بھیجا کہ منشی امام الدین کو کہو کہ یہ برتن ہمیں پسند ہے اور ہم نے رکھ لیا ہے۔

☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ اس مکان میں جو بڑے باغ میں ہے رکھا گیا تھا۔ وہاں حضور کا شبیہ مبارک بھی دکھایا گیا۔ ایک دروازہ سے لوگ آتے اور دوسرے دروازہ سے گزرتے تھے۔ حضور کا جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے بڑے باغ میں پڑھایا۔

....

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے منشی امام الدین صاحبؓ کو حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحبؓ کا نائب مقرر فرمایا اور منشی صاحب کئی ماہ تک سارا سارا دن پیدل سفر کر کے تندہی سے کام کرتے رہے۔ (اصحاب احمد جلد اوّل)

حضرت منشی صاحبؓ جسمانی لحاظ سے خوب توانا اور مضبوط تھے۔ تمام دانت محفوظ تھے۔ عینک صرف پڑھتے وقت استعمال کرتے تھے۔ کئی کئی میل تک پیدل سفر کر لیتے تھے۔ آخر وقت تک باوجود بڑھاپے کے رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھتے رہے۔ چنانچہ آپؓ نے اپنی زندگی کے آخری رمضان المبارک کے روزے بھی رکھے۔ وفات سے تین سال قبل آپ کو پیٹھ پر بڑا خطرناک کاربنکل ہوا۔ آپریشن ہونا تھا۔ آپ نے اس امر کو پسند کیا کہ بغیر کلوروفارم کے آپریشن کر دیا جائے۔ چنانچہ بڑی ہمت سے بغیر کلوروفارم کے آپریشن کرایا اور بیماری کا اچھی طرح سے مقابلہ کیا۔ آپ اس بیماری سے تو صحت یاب ہو گئے، لیکن اس کے بعد عام صحت اچھی نہ رہی۔

وفات سے قبل اکثر لوگ عیادت کے لیے آتے۔ ہر ایک سے یہی کہتے کہ اب کوئی خواہش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام خوشیاں دکھائیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انجام بخیر کیا۔ پہلے عام قطعہ صحابہ میں دفن کرنے کی تجویز تھی۔ قبر تیار تھی اور میت کو قبر میں اُتارا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پرانے صحابی مکرم بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ (درویش) کے دل میں تحریک پیدا کی کہ چونکہ منشی صاحب قدیم صحابہ میں سے ہیں اس لیے قطعہ خاص میں جگہ ملنی چاہیے۔ چنانچہ بھائی جی کے ذکر کرنے پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بعض اَور پرانے صحابہؓ سے بھی شہادتیں لے کر پوری تحقیق کرنے کے بعد حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں دھرمسالہ تار دلوایا اور منظوری آنے پر آپ قطعۂ خاص صحابہ میں دفن کیے گئے۔ جنازہ میں تقریباً تمام بزرگانِ سلسلہ جو قادیان میں موجود تھے، شامل ہوئے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے میّت کو کندھا دیا اور تدفین کے بعد دُعا بھی کرائی۔

حضرت منشی صاحب کی شادی حضرت کریم بی بی صاحبہؓ بنت میاں امام الدین صاحب قوم ارائیں سکنہ اوجلہ (ضلع گورداسپور) سے ہوئی تھی جنہوں نے اپنے خاوند کی تبلیغ سے ان کے چھ سات ماہ بعد 1894ء میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی تھی۔

حضرت کریم بی بی صاحبہؓ کی زندگی کا بڑا حصہ دیہات میں ہی گذرا، اس وجہ سے آپ نے بہت سادہ طبیعت پائی تھی۔ لیکن دو خوبیاں بہت نمایاں تھیں ایک صفائی کا خیال اور دوسرے مہمان نوازی۔ آپ گھر بار کی صفائی کا بہت خیال رکھتیں۔ گاؤں کی مستورات بوجہ احترام روزانہ گھر کا کام کاج کر جاتیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ گھر کی صفائی بسا اوقات اپنے ہاتھ سے بھی کرتیں۔ گھر کی تمام چیزیں ایک قرینہ سے رکھی ہوتیں۔ برتن خوب صاف کر کے اور چمکا کر لائنوں میں قرینہ سے رکھے جاتے اور دوسرا سامان بھی مقررہ جگہوں پر رہتا۔

مہمان بڑی کثرت سے آتے رہتے تھے اور ان کے شایان شان خاطر و مدارات کرتیں۔ عموماً گھر میں بھینس رکھی ہوتی تھی۔ دودھ اور گھی ہر وقت موجود رہتا تھا۔ گھر میں مرغیاں بھی پالی جاتیں، اس طرح انڈے اور مرغ بھی موجود ہوتے اور آنے والے مہمانوں کی حسبِ حیثیت انہی چیزوں سے خاطر مدارات کی جاتی اور مہمانوں کے وقت بے وقت آنے سے نہ کبھی گھبراہٹ ہوتی اور نہ غیر معمولی خرچ کرنا پڑتا۔ دیہات میں یہ طریق رائج ہے کہ مہمان اپنا بستر ساتھ نہیں لے جاتے۔ صاحبِ خانہ کا فرض ہوتا ہے کہ تمام مہمانوں کے لیے حسبِ حیثیت بستر مہیا کرے۔ اس لیے تمام دیہاتی شرفاء اس کا اہتمام رکھتے ہیں۔ آپ کے ہاں بھی بڑی تعداد میں زائد بستر موجود رہتے تھے جن میں اضافہ ہوتا رہتا۔ سارا سال آپ اور دیگر گھر میں آنے والی دیہاتی مستورات گھر میں چرخے پر سُوت کات کر کپڑا تیار کر کے ان سے لحاف اور توشک کا کپڑا، دوتہیاں اور کھیس تیار کرتی رہتیں اور اس طرح بغیر کسی زیادہ خرچ کے نئے بستر تیار ہوتے رہتے۔ اور شادیوں وغیرہ کے مواقع پر یہی چیزیں تحائف کے طور پر بھی استعمال میں لائی جاتیں۔

منشی صاحب اور آپ کے اہلِ بیت دونوں کو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت محبت اور اخلاص تھا اور اس خاندان کی طرف سے بھی ان پر نوازشات ہوتی تھیں۔ چنانچہ لوہ چپ، جہاں دورانِ ملازمت آپ کا قیام رہا، ایک معمولی گمنام گاؤں ہے۔ خوش قسمتی دیکھیے کہ ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ محض انہیں ملنے کے لیے مختلف اوقات میں حضرت امّ المومنینؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ (قبل از خلافت)، حضرت امّاں جی حرم حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ، حضرت سیّدہ امّ ناصرؓ اور خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض دیگر افراد اور بزرگانِ سلسلہ ان کے گھر تشریف لائے۔

حضرت منشی صاحب اور حضرت مولوی رحیم بخش صاحب رضی اللہ عنہما کی کوششوں سے تلونڈی جھنگلاں میں ایک احمدیہ پرائمری سکول جاری ہوا۔ منشی صاحب اس سکول کے مینیجر تھے۔ خلافتِ اولیٰ کے زمانہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ سکول کے معائنہ کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر حضورؓ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ راستہ میں ان کا ایک خادم رہتا ہو اور حضورؓ اُسے اپنی تشریف آوری سے نہ نوازیں۔ چنانچہ حضورؓ موضع لوہ چپ میں منشی صاحب کے مکان پر بھی تشریف لے گئے۔ چونکہ حضورؓ کی تشریف آوری کا علم نہ تھا اس لیے منشی صاحب گھر پر موجود نہ تھے۔ آپؓ کی اہلیہ کہتی ہیں کہ مَیں نے حضورؓ کو کچھ نذرانہ پیش کرنا چاہا لیکن اتفاقاً گھر میں کوئی نقدی موجود نہ تھی۔ مَیں نے گوارا نہ کیا کہ حضورؓ اپنے خادم کے گھر تشریف لائیں اور وہ اپنی محبت اور اخلاص کا ثبوت نہ دے۔ ہمارے گھر میں چاندی کے زیور اور چیزیں موجود تھیں۔ مَیں نے اُن میں سے ایک چیز چاندی کی حضورؓ کو

پیش کر دی اور حضورؓ نے اُسے قبول فرمالیا۔

حضرت اماں جانؓ بھی حضرت کریم بی بی صاحبہؓ کو جلدی جلدی قادیان آنے کی تاکید فرماتیں۔ چنانچہ آپؓ اس کی تعمیل کرتیں۔ جب قادیان جاتیں حضرت اماں جانؓ بڑی محبت اور شفقت سے گلے لگا کر ملتیں۔ قیام و طعام کا انتظام بھی الدّار میں ہی ہوتا۔ آپؓ بیان کرتی تھیں کہ ایک دفعہ مَیں قادیان گئی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صحن میں ایک چارپائی پر بیٹھے تصنیف میں مصروف تھے۔ میرا بیٹا نثار احمد اس وقت بالکل چھوٹا تھا اور پاس ہی فرش پر کھیل رہا تھا۔ اسی اثناء میں حضورؑ کے لیے کھانا لایا گیا۔ حضورؑ نے نہایت شفقت سے اُسے بُلا کر اپنے پاس بٹھالیا، اور اپنے ہاتھ سے اپنے کھانے میں سے اُسے بھی کھانا دیا۔

آپؓ کا یہ طریق تھا کہ کچھ گھی صاف تیار کر کے اُسے مٹی کے برتن میں ڈال کر حضرت اقدسؑ کے لیے بطور تحفہ لے جاتیں۔ اسی طرح کبھی مرغیاں اور بادام پستہ وغیرہ ڈالا ہوا گُڑ بھی لے جاتیں۔ حضورؑ اُسے بڑی خوشی سے قبول فرماتے۔ قیمت کے لحاظ سے یہ چیزیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، لیکن جس اخلاص اور محبت سے ان کا اہتمام کیا جاتا اس کا اندازہ ہر شخص نہیں کرسکتا۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی شادی کے موقعہ پر حضرت ام المومنینؓ نے حضرت کریم بی بی صاحبہ کو دعوت نامہ بھجوایا کہ بچوں سمیت شادی میں شریک ہوں۔ چنانچہ آپ کو اس شادی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

آپؓ کے اندر خدمتِ خلق کا جذبہ بہت نمایاں تھا۔ دیہات کی محتاج عورتوں اور غریب بچوں کی ہمیشہ امداد کرتی تھیں۔ گھر میں ایک چھوٹا سا ہسپتال کھول رکھا تھا جس کی کل کائنات صرف چند دوائیں تھیں۔ انہیں سے عورتوں اور بچوں کے امراض کا علاج کرتیں۔ آنکھوں میں ڈالنے کا لوشن، ٹنکچر آیوڈین، امرت دھارا کی قسم کی ایک دوائی، سرکہ، اجوائن، کونین کی گولیاں اور میگ سلفاس اور ایک آدھ دوائی ممکن ہے اور بھی ہوتی ہو۔ صبح سویرے ہی دیہات کی عورتیں اپنے بچوں وغیرہ کو لے کر آنا شروع ہو جاتیں اور یہ شغل ایک دو گھنٹے جاری رہتا۔ عام عورتیں تو جانتی ہی تھیں کہ وہ یہ سب کچھ خدمت خلق کے جذبہ کے ماتحت کرتی ہیں، لیکن اگر کوئی ناواقف عورت کبھی دوائی کی قیمت پیش کرتی تو آپ اُسے بہت ناپسند کرتیں۔

گھر میں چھوٹا سا مدرسہ بھی جاری تھا جس میں بچے اور بعض مستورات بھی قرآن مجید پڑھنے کے لیے آتیں۔ پہلے انہیں قاعدہ اور پھر قرآن مجید پڑھایا جاتا۔ یہ قاعدے اور قرآن مجید منشی صاحب کی طرف سے بلا قیمت مہیا کئے جاتے۔ لیکن جب کوئی قرآن مجید ختم کرتا، تو اُسے تاکید کی جاتی کہ قادیان سے قیمتاً قرآن مجید منگوا کر گھر میں رکھے اور پڑھتا رہے۔ آپؓ ہر وقت کچھ نقدی کسی رومال میں باندھ کر اپنے پاس رکھتی تھیں۔ جمعہ کی نماز کے لیے جاتیں تو اس میں سے دو پیسے نکال کر مسجد کی ضروریات کے لیے رکھی گئی صندوقچی میں ڈال دیتیں۔ اگر صندوقچی کا انتظام نہ ہوتا تو پھر بھی اپنے دو پیسے کارکنات لجنہ اماء اللہ کو ادا کرآتیں۔

جس وقت حضرت مصلح موعودؓ نے مسجد لنڈن کے لیے مستورات میں چندہ کی تحریک فرمائی، تو آپؓ کے پاس کافی زیور موجود تھے۔ آپؓ نے غالباً صرف ایک زیور اپنی والدہ مرحومہ کی نشانی کے طور پر رکھ کر بقیہ سارا زیور اپنی خوشی سے پیش کر دیا جو سیروں میں تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگر ہمارے عمل اس قابل نہیں، ہماری عبادتیں سوز و گداز سے بھری ہوئی نہیں، ہم اللہ کی نظر میں مقبول نہیں تو لاکھ ہم نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہ کہتے رہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور دوسرے لوگ آکر یہ مقام لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو اس طرح قبول نہیں کرتا۔ وہ تو یہی کہے گا کہ پہلے اپنی حالت درست کرو، اپنے اعمال درست کرو، انسانی حقوق ادا کرو، پھر میرے دین کے مددگار کہلا سکتے ہو۔“ (سالانہ اجتماع انصاراللہ یوکے 2005ء سے خطاب)

آپ موصیہ تھیں اور وصیت کے تمام چندوں کا حساب بہت اہتمام سے کر کے اپنی زندگی میں ہی ادا کر دیا تھا۔ حصہ جائیداد کی رقم ایک دفعہ ادا کی لیکن دفتر کی غلطی سے ساری رقم کسی اور مدّ میں داخل ہوگئی۔ ایک عرصہ کے بعد اس غلطی کا پتہ چلا۔ اس کا ازالہ کاغذات میں درستی کے ذریعہ بآسانی ہوسکتا تھا لیکن آپؓ نے اِسے پسند نہ کیا بلکہ دوبارہ وصیت کا چندہ داخل کر دیا۔

دیگر صحابہ اور صحابیات کی طرح آپ کو بھی قادیان سے ہجرت کا بہت صدمہ تھا۔ اور باوجودیکہ آپ کی ساری اولاد کوشاں تھی کہ آپ کو ہر طرح سے آرام پہنچے آپ کی صحت دن بدن گرتی گئی۔ حالانکہ آپ کے دو داماد اور ایک نواسہ ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے آپ کو ساری طبی سہولتیں میسر تھیں لیکن ہجرت کے صدمہ کی وجہ سے آپ کی کمزوری بڑھتی ہی گئی۔ جب ربوہ کا مرکز 1948ء میں قائم ہوا تو آپ کو یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کے بیٹے چوہدری ظہور احمد صاحب کو بوجہ کارکن صدر انجمن احمدیہ ہونے کے وہاں رہائش رکھنے کا موقع ملا ہے۔ اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ موصیوں کے لیے ایک خاص قبرستان بنایا جارہا ہے تو آپ 1948ء میں ہی اصرار کر کے ربوہ چلی گئیں حالانکہ وہاں آپ کو وہ سہولتیں میسر ہونے کا امکان نہ تھا جو دوسری جگہ حاصل تھیں۔ اور وہیں 7 نومبر 1948ء کی صبح قریباً اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کی خواہش تھی کہ آپؓ کا جنازہ حضرت مصلح موعودؓ پڑھائیں۔ آپ کی اس خواہش کو بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب رنگ میں پورا کیا۔ حضرت مصلح موعودؓ اس وقت لاہور میں قیام فرما تھے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کا خاص تصرف یہ ہوا اور عین اس وقت جب کہ آپ کا جنازہ قبرستان کے قریب پہنچا تو حضورؓ ربوہ تشریف لے آئے۔ حضورؓ ربوہ پہنچتے ہی پہلے قبرستان تشریف لے گئے اور مرحومہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ڈاکٹر عبدالسلام ۔ چند یادیں

(بشیر احمد رفیق خان)

1959ء کے اوائل میں جب خاکسار لندن پہنچا تو ان دنوں محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب پٹنی کے علاقہ میں مقیم تھے اور امپیریل کالج آف سائنس میں پروفیسر تھے۔ آپ مسجد جب بھی تشریف لاتے تو خاکسار کو بھی آپ سے ملنے کا موقع مل جاتا تھا۔ یوں تو ڈاکٹر صاحب اپنے مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے بہت بلند تھے اور خاکسار ایک نوجوان مبلغ تھا۔ اکثر اتوار کو ناشتہ پر محترم حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ اور اپنے دوستوں کو بلاتے تھے۔ ناشتہ کیا ہوتا تھا پُر تکلّف کھانا ہوتا تھا۔ ان مواقع پر خاکسار کو بھی دعوت دیتے تھے۔ خاکسار اور ان کے دوسرے مداح ان کی علمی گفتگو سے مستفید ہوتے تھے۔ اس موقع پر شعر و شاعری اور ادبی گفتگو بھی ہوتی تھی، حالات حاضرہ پر تبصرہ بھی ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب ان محفلوں کے روح رواں ہوتے تھے۔ بعد میں جب حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ مستقلاً لندن میں رہائش پذیر ہوگئے تو ناشتہ پر اتوار کے دن جب ڈاکٹر صاحب ان کو دعوت دیتے تو خاکسار کو بھی بالخصوص یاد فرماتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے سائنس کے لیے ایک خاص دماغ تو عطا کیا ہی تھا لیکن آپ کو اردو فارسی شعر و شاعری میں بھی کافی دلچسپی تھی۔ فارسی کے مشہور شاعر حافظؔ سے آپ کو بے حد لگاؤ تھا اور اس کے درجنوں اشعار زبانی یاد تھے اور موقع کی مناسبت سے اس کے اشعار سنایا بھی کرتے تھے۔ مولانا روم سے بھی آپ کو عشق تھا۔ ان کے بھی درجنوں اشعار زبانی یاد تھے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے اشعار بھی موقع کی مناسبت سے سنایا کرتے تھے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کو حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ سے بے حد محبت تھی۔ اکثر اپنے ذاتی معاملات میں ان سے مشورہ حاصل کرتے تھے اور حضرت چوہدری صاحبؓ جو بھی مشورہ دیتے اس پر عمل پیرا ہو جاتے تھے۔

خاکسار کے لندن آنے کے کچھ عرصہ بعد محترم ڈاکٹر صاحب کے والد حضرت چوہدری محمد حسین صاحب بھی لندن تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنے والد کے ساتھ عشق تھا اور ان کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ جو بھی بڑے بڑے سیاستدان اور سائنسدان ڈاکٹر صاحب سے ملنے آتے انہیں اپنے والد صاحب سے ضرور ملاتے تھے۔ ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب کی ملاقات ڈیوک آف ایڈنبرا سے طے ہوئی تو وہاں بھی اپنے والد صاحب کو ساتھ لے گئے اور انہیں ڈیوک سے ملایا۔

ایک دن ڈاکٹر صاحب خاکسار کے پاس مشن ہاؤس تشریف لائے تو فرمایا کہ ان کے والد صاحب گھر میں بیٹھے بیٹھے اکتا جاتے ہیں، ان کی خواہش ہے کہ اپنے والد صاحب کو صبح مشن ہاؤس میں میرے پاس چھوڑ جایا کریں اور شام کو کالج سے واپس آتے ہوئے لے جایا کریں۔ اس طرح اُن کا دل لگا رہے گا، احمدی دوستوں سے ملاقات بھی ہوگی۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اُن کے والد صاحب کا مشن آنا میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا اور اس طرح جماعت کی تربیت کے سلسلہ میں ہم ان سے فائدہ بھی اٹھالیں گے۔ چنانچہ جناب چوہدری محمد حسین صاحب روزانہ مشن ہاؤس میں تشریف لانے لگے اور اکثر میرے دفتر میں میرے ساتھ بیٹھ کر علمی و تربیتی امور پر گفتگو رہتی۔ ایک روز انہوں نے مجھے کہا کہ دعا کرو سلام کو نوبل پرائز مل جائے۔ مَیں نے عرض کیا آپ خود بزرگ ہیں۔ آپ کی دعائیں میری نسبت زیادہ مقبول ہیں۔ ان شاء اللہ میں بھی دعا کروں گا اور چند اَور بزرگوں کو بھی دعا کے لیے کہہ دوں گا۔ کچھ عرصہ بعد مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ ڈاکٹر سلام کو نوبل پرائز ضرور ملے گا لیکن ابھی ان کی عمر چھوٹی ہے جبکہ بڑی عمر کے سائنسدانوں کی قطار لگی ہوئی ہے، پہلے انہیں یہ پرائز دیا جائے گا اور پھر باری آنے پر ڈاکٹر سلام کو بھی ملے گا۔ مَیں نے اگلے دن مکرم چوہدری محمد حسین صاحب کو اپنی یہ خواب سنائی۔ دوسرے دن جب محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اپنے والد کو لینے مشن آئے تو مجھ سے میری خواب کے سننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ خاکسار نے انہیں خواب سنائی تو فرمانے لگے: عجیب بات ہے ابھی چند روز ہوئے مجھے یہی بات نوبل پرائز کمیٹی کے ایک قریبی شخص نے بھی بتائی ہے۔

ڈاکٹر صاحب جمعہ کے روز اوّل وقت میں مسجد تشریف لاتے اور عموماً پہلی صف میں امام کے عین پیچھے بیٹھا کرتے تھے۔ خاکسار خطبہ دیتا تو دورانِ خطبہ ڈاکٹر صاحب اپنی نوٹ بک نکال کر اس میں کچھ درج کرتے رہتے تھے۔ ایک دن مَیں نے بطور لطیفہ ان سے کہا: ڈاکٹر صاحب! آپ کو شاید میرا خطبہ بہت پسند آتا ہے کیونکہ آپ وقتاً فوقتاً اس سے نوٹس لیتے رہتے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کھلکھلا کر ہنس پڑے اور فرمانے لگے: 'بات یہ ہے کہ میرے دماغ میں وقتاً فوقتاً بجلی کی تیز روشنی کی مانند بعض سائنسی نکات آتے ہیں، مَیں انہیں بروقت نوٹ کرلیتا ہوں۔ بعد میں یہ نکات میری تحقیق کی بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ اگر میں انہیں بروقت نوٹ نہ کروں تو ان اہم مضامین کے ضائع ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔' ڈاکٹر صاحب کا یہ طریق دن رات جاری رہتا تھا، حتیٰ کہ کھانے کی میز پر بھی اچانک وہ اپنی نوٹ بک کھول کر اس میں لکھنا شروع کردیتے تھے اور پھر گفتگو میں شامل ہوجاتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کو احمدیت سے عشق کی حد تک پیار تھا۔ جماعت کے لیے بہت غیرت رکھتے تھے۔ 1974ء میں جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی قرارداد پاس کی تو ان دنوں ڈاکٹر صاحب صدر پاکستان کے سائنسی مشیر تھے اور ان کا درجہ وزیر کے برابر تھا۔ جب اس فیصلہ کی خبر سنی تو مشن ہاؤس تشریف لائے۔ حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحبؓ بھی موجود تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی جیب سے اپنا استعفیٰ نکال کر حضرت چوہدری صاحبؓ کو دکھایا اور فرمایا کہ میں اس حکومت کے ساتھ کیسے رہ سکتا ہوں جس نے سراسر ظلم اور زیادتی سے کام لیتے ہوئے ایک شرمناک فیصلہ کیا ہے۔ پھر جنرل ضیاء نے جب اپنا رسوائے زمانہ آرڈیننس جاری کیا جس میں جماعت کو اسلامی شعائر کے استعمال سے روکا گیا تو ڈاکٹر صاحب کو بہت صدمہ پہنچا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک مرتبہ مَیں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو مَیں نے دریافت کیا کہ کیا آرڈیننس کے اجراء کے بعد اُن کی ضیاء الحق سے ملاقات ہوئی ہے؟ تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہاں ایک ملاقات ہوئی ہے اور اس ملاقات کی روداد یوں سنائی۔ آپ نے فرمایا:

''جنرل صاحب کے مجھے ٹریسٹ میں کئی فون آئے کہ میں پاکستان آ کر اُن سے ملوں لیکن مَیں ٹالتا رہا۔ بالآخر مجھے پاکستان جانا پڑ گیا۔ جنرل صاحب کو اطلاع ہوئی تو ملاقات کے لیے بلایا۔ چنانچہ مَیں پریذیڈنٹ ہاؤس گیا۔ جنرل صاحب نے خود باہر آ کر میری کار کا دروازہ کھولا اور مجھ سے معانقہ کرنے کے بعد اپنے ساتھ بیٹھنے کے کمرہ میں لے گئے جہاں بعض اَور سائنس دان بھی موجود تھے۔ دورانِ گفتگو میں نے آرڈیننس کا ذکر کر کے اس پر افسوس کا اظہار کیا۔ جنرل صاحب نے فوراً میرا ہاتھ پکڑا اور کہا آیئے دوسرے کمرے میں چل کر بات کرتے ہیں۔ اور مجھے وہ دوسرے کمرہ میں لے گئے، اس وقت کے سائنسی امور کے وزیر بھی ہمارے ساتھ اس کمرے میں چلے آئے۔ جنرل ضیاء نے کہا: بات یہ ہے کہ میرے پاس علماء کا ایک وفد آیا تھا۔ انہوں نے مجھے یہ افسوسناک بات بتائی کہ احمدی قرآن کریم میں تحریف کرتے ہیں اس لیے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں نے جنرل صاحب کو کہا کہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ تو خود قرآن مجید میں موجود ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت مَیں خود کروں گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے بعد احمدی کیسے قرآن کریم میں تحریف کر سکتے ہیں؟ اس پر جنرل صاحب اُٹھ کر کتابوں کی الماری کی طرف گئے اور تفسیر صغیر اٹھا لائے۔ یہ قرآن کریم کا بامحاورہ اردو ترجمہ ہے جو حضرت مصلح موعودؓ نے کیا ہے۔ جنرل صاحب نے کہا کہ علماء نے ان آیات کی نشاندہی کر دی ہے جن میں جماعت احمدیہ نے تحریف کی ہے، وہ مَیں آپ کو دکھاتا ہوں۔ انہوں نے تفسیر صغیر کو کھولا اور ایک نشان زدہ صفحہ کھول کر ایک نشان زدہ آیت پر انگلی رکھ کر کہا کہ دیکھیے اس آیت میں آپ لوگوں نے تحریف کی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جنرل صاحب! یہ آیت تو مکمل طور پر درج ہے۔ تحریف کہاں ہوئی ہے؟ جنرل صاحب نے کہا کہ دیکھیے آپ نے اس آیت کے معنوں میں تحریف کی ہے اور خاتم النبیین کے معنے بجائے نبیوں کو ختم کرنے والے کے، نبیوں کی مہر کے کیے ہیں۔ اور یہ بات ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ''ختم'' کا لفظ جو یہاں استعمال ہوا ہے وہ پنجابی زبان کا ''ختم'' تو نہیں بلکہ عربی کا لفظ ہے اور اس کے معنی عربی زبان میں ''مُہر'' کے ہیں۔ لیکن میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کیا آپ کے پاس اَور کسی عالم کا ترجمہ قرآن بھی ہے؟ جنرل صاحب اُٹھے اور علامہ اسد کا ترجمہ قرآن اٹھا لائے جو مکہ معظّمہ سے شائع ہوا تھا۔ میں نے قرآن مجید کھولا۔ آیت خاتم النبیین نکالی تو وہاں بھی ترجمہ Seal of Prophets درج تھا۔ جرنیل کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ مَیں نے کہا: جنرل صاحب! علامہ اسد تو احمدی نہ تھے، پھر یہ ترجمہ تو سعودی حکومت کا شائع کردہ ہے کیا آپ سعودی حکومت کو بھی تحریف کا مجرم قرار دیں گے؟ اس پر وہ کہنے لگے: بھئی میں تو ایک اَن پڑھ جرنیل ہوں، مجھے تو جو کچھ ان علماء نے بتایا میں نے اسے سچ سمجھ کر تسلیم کر لیا۔

مَیں نے عرض کیا کہ آپ صرف ایک جرنیل ہی نہیں، اس ملک کے صدر بھی ہیں اور بحیثیت صدر مملکت تمام رعایا کے حقوق کی حفاظت آپ کے فرائض میں شامل ہے۔ یہیں اسلام آباد میں جماعت احمدیہ کے مربی موجود ہیں، جماعت کے افراد موجود ہیں، آپ کو جو کچھ علماء نے بتایا تھا آپ کا فرض تھا کہ احمدی علماء کو بھی بلا کر اپنی تسلی کراتے اور پھر دونوں طرف کو سننے کے بعد فیصلہ کرتے۔

اس پر جرنیل صاحب نے زور سے کلمہ شہادت پڑھا اور مجھے بھی کلمہ شہادت پڑھنے کو کہا۔ مَیں نے اُونچی آواز میں کلمہ شہادت پڑھا تو فرمانے لگے: سلام! خدا کی قسم! مَیں آپ کو اپنے سے اچھا مسلمان سمجھتا ہوں لیکن کیا کروں، مَیں علماء سے مجبور ہو گیا ہوں۔ اور یہ کہہ کر بات کا رُخ کسی اَور طرف موڑ لیا۔''

ڈاکٹر صاحب کو پاکستان سے شدید محبت تھی۔ مَیں نے جب برٹش پاسپورٹ حاصل کیا تو ایک دن ناشتہ کی میز پر میں نے ان سے عرض کیا کہ وہ بھی برٹش شہریت لے کر برٹش پاسپورٹ بنوا لیں، اس سے انہیں سفر میں بھی بہت سہولت ہو جائے گی۔ اور مَیں نے یہ بھی عرض کیا کہ میں برٹش پاسپورٹ کے حصول کے سلسلہ میں ضروری کاغذات اگلی دفعہ لے آؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا: امام صاحب! میں ہرگز پاکستانی قومیت نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے امید ہے کہ مجھے جلد نوبل پرائز مل جائے گا اور مَیں نہیں چاہتا کہ میرا یہ اعزاز پاکستان کے سوا کسی اور ملک کے کھاتے میں چلا جائے۔ میں پاکستانی ہوں پاکستانی رہوں گا، خواہ مجھے اس کی وجہ سے سفر میں کسی قدر پریشانی کا سامنا بھی کرنا پڑے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب زندگی بھر پاکستانی رہے اور ان کی وفات بھی ایسی حالت میں ہوئی کہ وہ پاکستانی شہری تھے۔

اپنے والدین سے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو عشق کی حد تک محبت تھی۔ جب اُن کے والد صاحب کی وفات ہوئی تو ڈاکٹر صاحب غم سے نڈھال ہو گئے اور لندن میں اپنے گھر میں گویا مقید ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد مجھے مسز سلام کا فون آیا اور بتایا کہ ڈاکٹر صاحب بہت ہی زیادہ غم زدہ ہیں اور کسی کام میں بھی اُن کا دل نہیں لگتا۔ آپ حضرت چوہدری صاحبؓ کو کہیں کہ آ کر انہیں تسلی دیں۔ میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو یہ ساری بات بتائی اور ہم دونوں ڈاکٹر صاحب کو ملنے ان کے گھر گئے۔ ڈاکٹر صاحب کا غم سے بُرا حال تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے انہیں نصیحت کی اور فرمایا کہ اس قدر غم بھی بعض اوقات شرک کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اپنی مثال دی کہ اپنی والدہ صاحبہ سے عشق کی حد تک محبت ہونے کے باوجود ان کی وفات پر صبر اختیار کیا اور اللہ کی رضا پر راضی ہو گیا۔ بہت دیر تک نصیحت فرماتے رہے، پھر اٹھ کر ڈاکٹر صاحب کو گلے سے لگایا۔ ڈاکٹر صاحب خوب روئے اور یوں ان کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کے والدین اولیاء اللہ میں سے تھے، صاحب رؤیا و کشوف تھے، عبادت گذار تھے، مخلوق خدا سے محبت کرنے والے اور غریبوں کے کام آنے والے تھے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ مسز سلام صاحبہ لمبے عرصہ تک لجنہ اماء اللہ برطانیہ کی صدر رہیں۔ خاکسار کو بحیثیت امام مسجد فضل لندن اور مبلغ انچارج برطانیہ ان کا بے حد تعاون حاصل رہا۔ مسز سلام ایک طرف خدمت سلسلہ میں لگی رہتی تھیں تو دوسری طرف ڈاکٹر صاحب کے مہمانوں کی خاطر داری اور مہمان نوازی میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دیتی تھیں۔